فہرست مضامین

یونٹ۔I

ا۔ درس پنجم	1
2۔ درس ششم	16
3۔ درس ہفتم	45
4۔ درس ہشتم	71

یونٹ۔II

5۔ داستان خیر و شر	90
6۔ پزشک انسان دوست	97
7۔ پزشک انسان دوست	101
8۔ وزن برداران	106

یونٹ۔III

9۔ فداکاری مادر و عزم و ارادۂ فرزند 107

10۔ فداکاری مادر و عزم و ارادۂ فرزند 109

11۔ بانوی فانوس بہ دست 112

12۔ انتخاب از جوامع الحکایات عوفی 114

13۔ شیرین کلا 118

یونٹ۔IV

14۔ نظامی گنجوی 129

15۔ محمد حجازی 132

16۔ محمد عوفی 135

17۔ سعید نفیسی 138

18۔ سوالات از یونٹ دوم تا سوم 141

یونٹ۔V

19۔ سلجوقی دور میں فارسی شعر و ادب کی ترویج و ترقی 150

20۔ باباطاہر عریاں 152

21۔ابوسعید ابی الخیر 153

22۔سنائی 155

23۔خواجہ فریدالدین عطار 158

24۔ناصر خسرو 160

25۔مسعود سعد سلمان 162

26۔انوری 166

27۔خاقانی 168

28۔کشف المحجوب 172

29۔کیمیای سعادت 173

30۔چہار مقالہ 175

یونٹ۔ اوّل

الفبای فارسی Lesson no-1

الف	بِ	پِ	ت
ثِ	جیم	چ	ح
خ	دال	ذ	رِ
زِ	ژِ	سین	شین
صاد	ضاد	طا	ظا
عین	غین	فِ	قاف
گاف	کاف	لام	میم
نون	واو	ھ	ی

(مشق) تمرین

گڑیا کمرے میں ہے۔

ایک گڑیا کمرے میں ہے

ایک کاریگر کارخانہ کی طرف جارہا ہے

ایک ماں اپنے بیٹے کو کھانا دے رہی ہے

ایک طالب علم اسکول سے واپس لوٹ رہا ہے

ایک کارخانے میں چھٹی ہے

ایک میز بیٹھک میں ہے

ایک ڈاکٹر/ حکیم بیمار کا علاج کر رہا ہے

ایک استاد کلاس میں پڑھانے جارہا ہے

ایک کاغذ میز کے اوپر ہے

ایک نرس اسپتال میں کام کر رہی ہے

ایک مہمان ہمارے گھر آیا

ایک طالب علم صحن کی طرف گیا ہے

ایک کاریگر فیکٹری میں کام کر رہا ہے

ایک لڑکا کھیل کے میدان میں ہے

ایک اسکول ہمارے گھر کے قریب ہے

ایک چمچ کٹورے میں ہے

ایک سوداگر ہیڈ ماسٹر کے ساتھ گفتگو کر رہا ہے

ایک گھڑی میز کے اوپر ہے

ایک لڑکی نے اپنا کھلونا میز کے اوپر رکھا ہے

ایک عورت بازار جا رہی ہے

ایک استاد فارسی پڑھنے والے بچوں کو سبق پڑھا رہا ہے

نیچے دئے گئے جملوں میں ی کو اسم سے حزف کیجئے

کتاب میز کے اوپر ہے

میں نے سفید تھال میز کے اوپر رکھا ہے

اس نے تیرے لئے گھڑی خریدی ہے

آدمی ٹیکسی سے بازار گیا

ماں نے میرے لئے پنسل خریدی

میں استاد کے ساتھ گفتگو کرتا تھا

اس آدمی کے پاس بڑا کارخانہ ہے

چائے کیٹل میں ہے

پولیس مین سڑک پر کھڑا ہے

آپ نے یہ کرسی یہاں رکھی ہے

کاوہ پہلوان کے ساتھ کشتی لڑ رہا ہے

ڈاکیہ نے تیرے لئے خط لایا

میں تمہارے چمن میں خوبصورت پھول دیکھ رہا ہوں

انھوں نے اپنے گھر میں لائبریری رکھی ہے

تیرے پاس زرد پھول ہیں

چھاتا کرسی کے اوپر ہے

کیا آپ کو باغ بانی کا کام پسند ہے

نرس یہاں آ رہی ہے

آپ کا جوتا بھورے رنگ کا ہے

آپ نے خوبصورت گلدستہ خریدہ ہے

تہران کی گرمی

تہران میں گرمی بہت زیادہ ہے، گرمی کی شدّت یاد ہے

میں بھاگ رہا ہوں، اس شہر سے باہر میں آرام کرنے جارہا ہوں

ایک نہر کے کنارے آفتاب کو بھی دیکھوں گا وہاں جو پانی میں گر گیا ہے

گرمی کی شدّت سے

جوابات: ۱ - گرمای تہران خیلی زیاد است

۲ - شلاق گرما در دست یاد است

۳- من می گریزم بیرون از این شہر

۴ - من می اُفتم آرام در پای یک نہر

۵- خورشید در آب اُفتاد است

متن

میں نے اسے دیکھا، اس نے بھی مجھے دیکھا

میں اس کی آنکھوں پر حیران ہو گیا، میں مسکرایا وہ بھی مسکرایا

اس کا ایک دانت نہیں ہے، میرا بھی ایک دانت نہیں ہے۔

میں نے محسوس کیا کہ اسے یار بنالوں۔اس نے بھی محسوس کیا کہ

مجھے دوست بنالے۔ میں اس کے قریب گیا۔وہ بھی میرے قریب آیا

میں نے اسے بوسہ دیا، اس نے بھی مجھے بوسہ دیا۔ میں ایک قدم پیچھے گیا وہ بھی ایک قدم پیچھے گیا۔ اسکول کے لئے مجھے دیر ہوئی میں نے اپنا منہ موڑ لیا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ میں نے اپنا ناشتہ کیا اور مسواک کیا، دوپہر کو واپس لوٹا اور اسے دیکھا، وہ میرے انتظار میں تھا۔اس کے بعد روزانہ اسے دیکھنے جاتا ہوں اور وہ بھی مجھے دیکھنے آتا ہے۔ایک دن میرے ہاتھ سے زمین پر گر گیا اور کانپ اٹھا۔ میں نے ایک دفعہ اپنی ماں کی آواز سنی کیا یہ آئینہ تو نے توڑا ہے ؟اور اسے نہیں دیکھا۔

چند جملے

ایک قیدی قید خانہ سے بھاگا۔

وہ شہر سے بھاگ رہے ہیں۔

میں تمہاری وجہ سے بھاگ رہا ہوں۔

مہماں گھر سے کیوں بھاگے۔ بچے اس کی کلاس سے بھاگ رہے ہیں۔

میں نے یہ کتاب تجھ سے لی ہے۔اس کے بعد تجھے واپس دے دی

تو نے اس کی پنسل اسے لوٹا دی۔

تو نے اپنی گردن ہلائی اور اس طرف نگاہ کی۔

میں نے بھی اپنا سر ہلایا اور اس طرف دیکھا۔

ژالہ کی کتاب زمین پر پڑی ہے۔کتاب میرے ہاتھ سے گر گئی۔

ہم آپ کی وجہ سے ٹوٹ چکے ہیں۔ب

چے اس کی وجہ سے بھاگ رہے ہیں۔

وہ ہماری وجہ سے پریشان ہوے ہیں۔

تو میری وجہ سے غمگین ہوا ہے۔

وہ ہمیشہ میری وجہ سے مایوس رہتا ہے۔

آپ طالب علم کو دیکھ رہے ہیں۔

آپ کی نظر شاگردوں کی طرف ہے۔

ناہید ہمیشہ اس تصویر کو دیکھتی ہے۔

ناہید کی نظر اس تصویر پر ہے۔

ہم کچھ منٹ کاوہ کی تصویر دیکھتے ہیں۔

ہماری نظر کاوہ کی تصویر پر تھی۔

گلاس اس کے ہاتھ سے گرااور ٹوٹ گیا۔

اس کا شیشہ ٹوٹ گیا ہے۔

میں نے اس کا شیشہ توڑا ہے۔

اس کمرے کا دریچہ ٹوٹ گیا ہے۔

پرویز کے دانت ٹوٹ گئے۔

شعر

وہی خوبصورت پھول

وہی ابر وہی پتھر، وہی خوبصورت طوطی

ایک گیا ایک رہا، ایک گاتا رہا۔

وہی بڑا، وہی ہوا، وہی خوبصورت پھول۔

ایک نمودار ہوا، ایک غائب ہوا۔

ایک گرااور مرجھا گیا۔

میرا خواب

ایک مالی نے کل رات میرا خواب چرایا۔

پھول کی طرح شاخ سے اس نے میرا خواب توڑا۔

میرا خواب میٹھا تھا، ایک خوبصورت خواب تھا۔

میرا خواب تو ایک صحرا میں تھا۔

میں وہاں باغ میں تھا، پھولوں سے بھرے باغ میں۔

ہر طرف سے بلبل کے نغمے سنائی دیتے تھے۔

باغ میں ایک درخت سے میں نے ایک خوبصورت پھول توڑا۔

اچانک خود کو میں نے ایک بلبل کی طرف دیکھا۔

اس باغ میں ہر طرف پھولوں کی مہک آتی ہے۔

اچانک ایک آدمی نظر آیا، میرا خواب لے گیا۔

میں نے اچانک خواب میں باغ اور پھولوں کو دھویں کی طرح دیکھا۔

مگر میرا کمرا پھولوں کی خوشبو سے بھرا ہوا تھا۔

گل شب بو

ایک رات خوشبودار پھول، بدصورت پھول۔

شبنم کا ایک قطرہ بھی۔ اس کی آنکھ میں تھا۔

اس رات صبح ہونے تک، رنجیدہ اور بیدار تھا۔

پروانہ اس کے ساتھ کھیلتا تھا، وہ انکار کرتا تھا۔

صبح کے وقت آفتاب آیا اور اسے دیکھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسوں صاف کئے۔

اس کے چہرے کو چوما۔

اس طرح وہ سمجھ گیا اس پھول کے غم کو۔

گفتگو

دارا: اسلام وعلیکم کاوہ، کیسے ہو؟

کاوہ: وعلیکم اسلام، میں ٹھیک ہوں، تم کیسے ہو؟

دارا: میں ٹھیک ہوں کیا کام کر رہے ہو؟

کیا سوچ رہے ہو؟

کاوہ: ہاں میں اپنے نئے پڑوسی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔

مگر کیوں؟

کاوہ: ابھی تمہیں معلوم نہیں ہوا ہے ان کا بیٹا کتنا کم بولتا ہے؟

دارا: کیوں' میں نے ایک مرتبہ اس کو سلام کیا۔

مگر اس نے صرف میرے سلام کا جواب دیا۔

خاموش رہا اور چلا گیا۔

سچ مچ اس کا کیا نام ہے؟

کاوہ: اس کا نام منو چہر، اس کی چھوٹی بہن ژالہ کی سہیلی بن گئی ہے۔

اس نے ژالہ سے کہا ہے کہ منو چہر بہت شرمیلا ہے۔

دارا: یہ وجہ ہے۔ میں اب تک سوچ رہا تھا کہ وہ ایک مغرور اور خود پسند بچّہ ہے۔ کاوہ: نہیں یہ وجہ نہیں ہے، میں نے آج اسکول سے واپس آنے کے بعد اسے میدان میں کھیلنے کے لئے دعوت دی ہے۔ وہ ہمارا نیا ہمسایہ ہے اور میرے خیال میں ایک نیا دوست بھی ہے۔

دارا: پھر منوچہر میرا بھی دوست ہے کیوں کہ منوچہر آپ کے دائیں جانب رہتا ہے اور میں اس کے بائیں جانب۔

شعر

میری ٹوپی

میری ٹوپی، میری ٹوپی

میری خوبصورت گول ٹوپی

ہوا سے اڑی اور کیچڑ میں پڑی

میری ٹوپی ہوا پر سوار ہوئی

میری بات نہیں سنی

اڑی اور ایک جنگل میں جا پڑی

ایک خوبصورت پرندے نے دیکھی

پرندہ گھونسلے کی فکر میں تھا

جو نغمے گاتا تھا، میری ٹوپی لے گیا

ٹوپی اٹھائی اور پھر اڑ گیا

میں اس کے پیچھے دوڑا

وہ میری ٹوپی کا مالک بن گیا

میری ٹوپی اڑ گئی

اس پرندے کا گھونسلہ بن گئی

LESSON NO-II

درس ششم

میں نے دیکھا تھا

ہم نے دیکھا تھا

تو نے دیکھا تھا

تم نے دیکھا تھا

اس نے دیکھا تھا

انہوں نے دیکھا تھا

پڑھیئے

میں نے تجھے دیکھا ہے

میں نے تجھے دیکھا تھا

تو نے اپنا کھانا کھایا ہے

تو نے اپنا کھانا کھایا تھا

وہ اسکول گیا ہے

وہ اسکول گیا تھا

ہم نے یہ موضوع سنا ہے

ہم نے یہ موضوع سنا تھا

تم یہاں آئے ہو

تم یہاں آئے تھے

انھوں نے یہ موضوع کہا ہے

انہوں نے یہ موضوع کہا تھا

میں نے یہ کتاب تجھے دیکھائی ہے

میں نے یہ کتاب تجھے دیکھائی تھی

تو نے پارک میں سیر کی ہے

تو نے پارک میں سیر کی تھی

سارا نے ژالہ کے ساتھ گفتگو کی ہے

سارا نے ژالہ کے ساتھ گفتگو کی تھی

ہم نے کمروں کو صاف کیا ہے

ہم نے کمروں کو صاف کیا تھا

تم کمرے سے باہر گئے ہو

تم کمرے سے باہر گئے تھے

بچّے نیند سے جاگے ہیں

بچّے نیند سے جاگے تھے

میں نے یہ کتاب پڑھی تھی

میں نے یہ رسالہ پڑھا تھا

میں نے یہ اخبار خریدا تھا

تو نے ایران میں سیر کی تھی

تو نے چین میں زندگی گزاری تھی

تو جاپان میں رہا تھا

تو نے اصفہاں میں کام کیا تھا

تو نے اصفہاں میں خریداری کی تھی

اس نے کھانا کھایا تھا

اس نے کیک خریدا تھا

اس نے شرینی خریدی تھی

اس نے پھل خریدا تھا

ہم نے یہ کتاب پڑھی تھی

ہم نے یہ اخبار خریدا تھا

آپ نے ایران میں تفریح کی تھی

انہوں نے کھانا کھایا تھا

انہوں نے پھل خریدا تھا

میں نے پیالے میں چائے ڈالی

اماں نے پیالے میں چائے ڈالی ہے

اماں نے پیالے میں چائے ڈالی تھی

اس لڑکے نے ایک گلاس توڑا

مزدوروں نے فیکڑی میں کام کیا تھا

میں نے تمہیں اپنے گھر آنے کی دعوت کی

ایک آدمی نے میری کار چرائی

میں نے اپنی چابی آپ کو دی

آپ نے اپنا گلدان اپنے کمرے میں لیا

تو نے لذیذ کھانا کھایا

بچوں نے پارک میں ورزش کی

ہم گھر سے باہر گئے

تو نے میری تصویر دیکھی

میں نے یہ پھول تیرے لئے لایا

ہم نے ایک خط لکھا

وہ بازار سے آئے

تو میری کرسی پر بیٹھا

تو میری کرسی پر بیٹھا ہے

تو میری کرسی پر بیٹھا تھا

ناظم صاحب صحن میں کھڑا ہے

آپ نے اپنا کام مکمل کیا ہے

میں نے چائے ڈالی ہے

وہ تصویر دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا

منو چہرا اپنے دوستوں سے شرمندہ ہوا ہے

ہم سینما سے باہر آئے تھے

تو گلی میں کھڑا ہے اساتذہ دفتر کے قریب آئے تھے

آپ نے اپنا لباس دھویا تھا

میں پارک سے واپس لوٹا تھا

انہوں نے اپنا کام انجام دیا ہے

تو نے اپنا ناشتہ کیا تھا

میرے دوست نے میرا البم دیکھا ہے

مثال

میں نے نہیں دیکھا تھا

ہم نے نہیں دیکھا تھا

تو نے نہیں دیکھا تھا

تم نے نہیں دیکھا تھا

اس نے نہیں دیکھا تھا

انہوں نے نہیں دیکھا تھا

پڑھئے

کیا تو فلم دیکھنے گیا تھا؟

ہاں میں فلم دیکھنے گیا تھا

نہیں میں سینما نہیں گیا تھا

کیا میں نے نیلی شلوار پہنی تھی؟

ہاں تو نے نیلی شلوار پہنی تھی

کیا ژالہ نے اپنے جوراب دھوئے تھے؟

ہاں ژالہ نے اپنے جوراب دھوئے تھے

کیا کاوہ نے اپنا سبق پڑھا تھا؟

ہاں کاوہ نے اپنا سبق پڑھا تھا

کیا آپ نے میدان میں ورزش کی تھی؟

ہاں ہم نے میدان میں ورزش کی تھی

کیا انہوں نے اس سوال کا جواب دیا ہے؟

ہاں انہوں نے اس سوال کا جواب دیا ہے

کیا ڈاکٹر نے بیمار کی جانچ کی ہے؟

ہاں ڈاکٹر نے بیمار کی جانچ کی ہے

کیا ہم نے مسکرایا تھا؟

ہاں تم نے مسکرایا تھا

کیا تم نے یہ کتاب پڑھی تھی؟

نہیں ہم نے یہ کتاب نہیں پڑھی تھی

کیا انہوں نے اپنے بیٹوں کو چوما تھا؟

نہیں انہوں نے اپنے بیٹوں کو نہیں چوما تھا

مثال

کون شخص بیمار ہے؟

نادر بیمار ہے

بچّے کلاس میں ہیں

کون کلاس میں ہے؟

بچّے کلاس میں ہیں

کاوہ فٹ بال کھیل رہا ہے

کون فٹ بال کھیل رہا ہے؟

کاوہ فٹ بال کھیل رہا ہے

پرویز اور پروین نے کاوہ کے ساتھ گفتگو کی ہے

پرویز اور پروین نے کس شخص کے ساتھ گفتگو کی ہے؟

پرویز اور پروین نے کس کے ساتھ گفتگو کی ہے؟

پرویز اور پروین نے کاوہ کے ساتھ گفتگو کی ہے

بچّے مسکرا رہے ہیں

کون لوگ مسکرا رہے ہیں؟

ہم ناظم صاحب کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں

کیا ہم ناظم صاحب کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں؟

وہ اسٹیشن پر کھڑے ہیں

کون لوگ اسٹیشن پر کھڑے ہیں؟

ٹیلیفون پر ایک گفتگو

کاوہ: ہیلو اسلام علیکم نادر، میں کاوہ ہوں

نادر: وعلیکم السلام کاوہ، آپ کے مزاج کیسے ہیں

کاوہ: میں ٹھیک ہوں، آپ کیسے ہیں؟ آج آپ اسکول نہیں آئے۔

نادر: آج میری طبعیت ٹھیک نہیں ہے۔ سر میں درد ہو رہا ہے، بخار بھی آرہا ہے۔

کاوہ: بخار؟ کب سے؟ ڈاکٹر کے پاس گئے ہو؟

نادر: ہاں دوپہر سے قبل ڈاکٹر کے پاس گیا تھا، مجھے زکام لگا ہے۔

کاوہ: تجھے زکام لگا ہے کوئی ڈر نہیں۔

نادر: ڈاکٹر نے کہا درد جلدی ختم ہو جائے گا۔

کاوہ: یہ صحیح ہے، اب اس وقت تم کیسے ہو۔

نادر: میں ٹھیک ہوں، صرف کھانس رہا ہوں۔ سچ بتایئے آج اسکول میں تم نے کیا پڑھا ہے؟

کاوہ: اساتذہ نے فارسی تاریخ کا نیا سبق پڑھایا، ریاضی بھی ہم نے پڑھا۔

نادر: ریاضی کے بعد کوئی مضمون نہیں پڑھا۔

کاوہ: مجھے کوئی فکر نہیں ہے۔ کل آرہے ہو؟

نادر: ہاں انشااللہ کل صبح تک ٹھیک ہو جاؤں گا۔

کاوہ: اچھا، کل صبح میں آپ کا انتظار کروں گا، تجھے کوئی کام نہیں ہے؟

نادر: نہیں، آپ کے ٹیلیفون کال کا میں مشکور ہوں۔

کاوہ: میں جانتا ہوں یہ میرا فرض تھا، خدا حافظ۔۔

نادر: آپ نے مجھے خوش کیا، خدا حافظ۔

متن

تاریخ کا سبق

کلاس کی گھنٹی بجی، کاوہ اور اس کے ساتھی کلاس میں گئے۔ انہوں نے ہسٹری کا سبق پڑھنا ہے۔ بچّے ادب اور ڈسپلن سے بیٹھے۔ ان میں کچھ ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو کر رہے ہیں۔ کچھ بچوں نے اپنی کتابیں اور کاپیاں میز کے اوپر رکھی ہیں۔ کچھ منٹ گزر گئے۔ ہسٹری کے استاد صادق صاحب کلاس میں داخل ہوئے۔ سبھی بچّے سبق پڑھنے کے لئے تیار ہوئے۔ صادق صاحب نے کہا آج ہسٹری کا نیا سبق پڑھتے ہیں۔ آج کا موضوع "ایرین کی تاریخ" کے بارے میں ہے۔

مکمل طور پر ایران کی تاریخ دو ادوار پر مشتمل ہے۔ ایران کی تاریخ اسلام سے پہلے اور ایران کی تاریخ اسلام کے بعد۔

اس کے بعد صادق صاحب نے ان دونوں ادوار میں سے ہر ایک کے بارے میں وضاحت کی۔ کاوہ سمجھ گیا۔ ایران کا ملک اور حکومت سینکڑوں سال پہلے وجود میں آیا ہے اور ملک ایران دنیا کے قدیم ممالک میں سے ایک ہے۔

صادق صاحب نے غالبا" دو گھنٹے ایران کی تاریخ پر گفتگو کی۔ آخر کار کی گھنٹی بجی۔ صادق صاحب نے اپنا recess موضوع بند کیا اور

کہا اس بحث کو اگلے ہفتے مکمل کریں گے۔

بچّے اٹھے اور کلاس سے باہر نکلے۔کاوہ بھی اٹھا لیکن وہ ابھی سوچ رہا تھا ایران دنیا کا ایک قدیم ملک ہے۔

سوالات کے جوابات

1-دانش آموزان در کلاس بعضی با یک دیگر صحبت می کردند و بعضی دیگر کتاب و دفتر شان را روی میز می گزاشتند.

2-اسمِ دبیر تاریخ آقای صادقی بود.

3- موضوع درس تاریخ در بارۂ تاریخِ ایران بود.

4-تاریخِ ایران به دو ادوار تقسیم می شود-

5-آقای صادقی نزدیک دو ساعت صحبت کرد-

6-چون زنگِ تفریح را زند آقای صادقی حرف ہایش را قطع کرد-

7-آقای صادقی به حرفہایش را ہفتۂ آینده ادامه می دہد-

چند جملے

ایک گھنٹہ گزرا

دو مہینے گزرے

ایک آدمی اس سڑک سے گزرا

آپ اس سڑک سے گزر رہے ہیں

کیا آپ یہاں سے گزر رہے ہیں؟

جوادی صاحب کی بحث انتہائی دلکش تھی

تو کاوہ کے ساتھ بہداشت کے بارے میں بحث کر رہا ہے

آپ کی بحث طویل تھی

میں آپ کی بحث کا موضوع نہیں سمجھ سکا

آپ کس کے ساتھ بحث کر رہے ہیں

بچّے اپنی جگہ سے اٹھ گئے

طلبا اپنی کرسیوں سے اٹھ رہے ہیں

کیا آپ اٹھ گئے ہیں

میں اپنے ڈیسک سے اٹھ گیا تھا

آپ نے میری بات کاٹ دی

میں آپ کی بات کاٹ رہا ہوں

پرویز نے رسی کاٹ دی

ژالہ نے پرویز کی بات کاٹ دی ہے

Lesson no—III

20	بیست	(بیس)
21	بیست ویک	(اکیس)
22	بیست ودو	(بائیس)
23	بیست وسہ	(تئیس)
24	بیست وچہار	(چوبیس)
30	سی	(تیس)
31	سی ویک	(اکتیس)
32	سی ودو	(بتیس)
33	سی وسہ	(تینتیس)
34	سی وچہار	(چونتیس)
40	چہل	(چالیس)
41	چہل ویک	(اکتالیس)
42	چہل ودو	(بیالیس)
43	چہل وسہ	(تینتالیس)
50	پنجاہ	(پچاس)
51	پنجاہ ویک	(اکاون)
52	پنجاہ ودو	(باون)
53	پنجاہ وس	(ترپن)
60	شصت	(ساٹھ)
61	شصت ویک	(اکسٹھ)
62	شصت ودو	(باسٹھ)

63	شصت وسہ	(تریسٹھ)
70	ہفتاد	(ستر)
71	ہفتادویک	(اکہتر)
72	ہفتادودو	(بہتّر)
73	ہفتادوسہ	(تیہتّر)
80	ہشتاد	(اسّی)
81	ہشتادویک	(اکیاسی)
82	ہشتادودو	(بیاسی)
83	ہشتادوسہ	(تراسی)
90	نود	(نوے)
91	نودویک	(اکیانوے)
92	نودودو	(بانوے)
93	نودوسہ	(ترانوے)
100	صد	(سو)
101	صدویک	(ایک سوایک)
102	صدودو	(ایک سودو)
103	صدوسہ	(ایک سو تین)

پڑھیئے

وقت کیا ہوا ہے؟

چھ بج کر چالیس منٹ ہوئے ہیں۔

سات بجنے کو بیس منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

دو بج کر پچاس منٹ ہوئے ہیں۔

تین بجنے کو بیس منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

چار بج کر اڑ تیس منٹ ہوئے ہیں۔

پانچ بجنے کو بائیس منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

نو بج کر پچاس منٹ ہوئے ہیں۔

دس بجنے کو پانچ منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

ایک بج کر تر پین منٹ ہوئے ہیں۔

دو بجنے کو سات منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

سات بج کر پندرہ منٹ ہوئے ہیں۔

سوا سات بجے ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

پانچ بج کر اڑتالیس منٹ ہوئے ہیں۔

چھ بجنے کو بارہ منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

پانچ بج کر پینتالیس منٹ ہوئے ہیں۔

چھ بجنے کو پندرہ منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

سات بجکر پینتیس منٹ ہوئے ہیں۔

آٹھ بجنے کو پچیس منٹ باقی ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

پانچ بجکر پنتالیس منٹ ہوئے ہیں۔

پونے چھ بجے ہیں۔

وقت کیا ہوا ہے؟

سات بجکر تیس منٹ ہوئے ہیں۔

ساڑھے سات بج چکے ہیں۔

خلاصہ

میں لائبریری گیا تھا۔

تو لائبریری گیا تھا۔

وہ لائبریری گیا تھا۔

ہم لائبریری گئے تھے۔

تم لائبریری گئے تھے۔

وہ لائبریری گئے تھے۔

میں لائبریری نہیں گیا تھا۔

نادر اسکول جارہا ہے۔

کون اسکول جارہا ہے؟

نادر آج اسکول جارہا ہے۔

نادر کس وقت اسکول جارہا ہے؟

میں جاؤں گا۔

ہم جائیں گے۔

تو جائے گا۔

تم جاؤ گے۔

وہ جائے گا۔

وہ جائیں گے۔

کل میں اسکول گیا تھا۔

کل میں اسکول جاؤں گا۔

کل تو نے اپنے دوست کو دیکھا تھا۔

کل تو اپنے دوست کو دیکھے گا۔

کل اس نے اپنی کتاب مجھے دی تھی۔

کل وہ اپنی کتاب مجھے دے گا۔

کل ہم نے ایک کار خریدی۔

کل ہم ایک کار خریدیں گے۔

کل تم نے ایک کتاب پڑھی۔

کل تم ایک کتاب پڑھو گے۔

کل انہوں نے چائے نوش کی۔

کل وہ چائے نوش کریں گے۔

کل میں نے اپنا کرتا دھویا۔

آج میں اپنا کرتا دھو رہا ہوں۔

کل میں اپنا کرتا دھو ڈالوں گا۔

کل تو نے اپنے ہمسائے کو دیکھا۔

آج تو اپنے ہمسائے کو دیکھ رہا ہے۔

کل تو اپنے ہمسائے کو دیکھے گا۔

کل کاوہ نے ایک خط لکھا۔

آج کاوہ ایک خط لکھ رہا ہے۔

کل کاوہ ایک خط لکھے گا۔

کل ہم نے مٹھائی کھائی۔

آج ہم مٹھائی کھا رہے ہیں۔

کل ہم مٹھائی کھائیں گے۔

پچھلے ہفتے آپ نے ایک گھر خریدا۔

اس ہفتے آپ ایک گھر خرید رہے ہیں۔

اگلے ہفتے آپ ایک گھر خریدیں گے۔

پچھلے سال وہ جاپان گئے۔

اس سال وہ جاپان جا رہے ہیں۔

اگلے سال وہ جاپان جائیں گے۔

کل میں نے ناظم صاحب کے ساتھ گفتگو کی۔

کل میں ناظم صاحب کیساتھ گفتگو کروں گا۔

کل تو نے اپنا خط ارسال کیا۔

کل تو اپنا خط ارسال کرے گا۔

کل صبح اس نے گھر کے صحن میں ورزش کی۔

کل صبح وہ گھر کے صحن میں ورزش کرے گا۔

کل ہم نے آپ کو یہ کتاب آپ کو دیکھائی۔

کل ہم آپ کو یہ کتاب دیکھائیں گے۔

کل رات آپ نے اپنے دانتوں کا مسواک کیا۔

کل رات آپ اپنے دانتوں کا مسواک کریں گے۔

کل انہوں نے تیسرا سبق ہمیں یاد کرایا۔

کل وہ تیسرا سبق ہمیں یاد کرائیں گے۔

میں اس کتاب کو پڑھوں گا۔

میں اس کتاب کو دیکھوں گا۔

میں اس کتاب کو خریدوں گا۔

میں اس کتاب کو لوں گا۔

تو ایران کی سیر کرے گا۔

تو ایران میں زندگی گزارے گا۔

تو ایران میں رہے گا۔

تو ایران میں کام کرے گا۔

وہ اس خط کو لکھے گا۔

وہ اس خط کو پڑھے گا۔

وہ اس خط کو لے گا۔

وہ اس خط کر ارسال کرے گا۔

ہم اس کتاب کو پڑھیں گے۔

ہم اس کتاب کو دیکھیں گے۔

ہم اس کتاب کو خریدیں گے۔

ہم اس کتاب کو لیں گے۔

تم ایران میں سیر کروگے۔

تم ایران میں زندگی بسر کروگے۔

تم ایران میں رہوگے۔

تم ایران میں کام کروگے۔

وہ اس خط کو لکھیں گے۔

وہ اس خط کو پڑھیں گے۔

وہ اس خط کو لیں گے۔

وہ اس خط کو ارسال کریں گے۔

کل میں اسکول سے واپس لوٹا۔

کل میں اسکول سے واپس آؤں گا۔

کل تو لائبریری سے واپس آیا۔

کل تو لائبریری سے واپس آئے گا۔

کل وہ سینما سے واپس آیا۔

کل وہ سینما سے واپس آئے گا۔

کل ہم اپنے دادا جان کے گھر سے واپس آئے۔

کل ہم اپنے دادا جان کے گھر سے واپس آئیں گے۔

کل تم ڈاکخانہ سے واپس آئے۔

کل تم ڈاکخانہ سے آؤ گے۔

کل وہ اصفہاں سے واپس آئے۔

کل وہ اصفہاں سے واپس آئیں گے۔

کاوہ کا طوطا پنجرہ سے بھاگ رہا ہے۔

کاوہ کا طوطا پنجرہ سے بھاگ جائے گا۔

وہ اس سڑک سے گزر رہا ہے۔

وہ اس سڑک سے گزرے گا۔

میں نے اس سے فیکٹری میں پہچانا ہے۔

میں اس سے فیکٹری میں پہچانوں گا۔

آپ کرسی سے اٹھ گئے۔

آپ کرسی سے اٹھیں گے۔

وہ میری بات کاٹ رہا ہے۔

وہ میری بات کاٹے گا۔

وہ اسٹیشن پر کھڑے ہیں۔

وہ اسٹیشن پر کھڑے ہو جائیں گے۔

ہم اصفہاں میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

ہم اصفہاں میں زندگی بسر کریں گے۔

وہ پیالی میں چائے ڈال رہا ہے۔

وہ پیالی میں چائے ڈالے گا۔

تو نے کتاب میز کے اوپر رکھی ہے۔

تو کتاب میز کے اوپر رکھے گا۔

کاریگر صحن میں کام کر رہے ہیں۔

کاریگر صحن میں کام کریں گے۔

وہ کارخانہ سے واپس لوٹ رہے ہیں۔

وہ کارخانہ سے واپس لوٹیں گے۔

کاوہ لائبریری سے باہر نکل گیا ہے۔

کاوہ لائبریری سے باہر نکل جائے گا۔

وہ اپنے گھر پہنچ گئے ہیں۔

وہ اپنے گھر پہنچ جائیں گے۔

کاوہ نے یہ کتاب ژالہ کے لئے لائی ہے۔

کاوہ یہ کتاب ژالہ کے لئے لائے گا۔

ہم ڈاکخانہ جا رہے ہیں۔

ہم ڈاکخانہ جائیں گے۔

تو اپنی کتاب مجھے دکھا رہا ہے۔

تو اپنی کتاب مجھے دکھائے گا۔

میں فارسی یاد کر رہا ہوں۔

میں فارسی یاد کروں گا۔

وہ ہمیں سائنس پڑھاتا ہے۔

وہ ہمیں سائنس پڑھائے گا۔

وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔

وہ ہمیں دیکھیں گے۔

کیا آپ چائے نوش کر رہے ہیں؟

کیا آپ چائے نوش کریں گے؟

میں دس بجے سو رہا ہوں۔

میں دس بجے سو جاؤں گا۔

تو اپنی کتاب میز کے اوپر رکھے گا۔

ہم یہ میگزین خریدیں گے۔

تم کل اخبار پڑھو گے۔

ژالہ اپنے دوست کے لئے خط لکھے گی۔

بچے کلاس میں رہیں گے۔

وہ سارے کپڑے دھو ڈالیں گے۔

وہ کاوہ کو پہچانے گا۔

استاد سبق کی وضاحت کریں گے۔

یہ طالب علم ناظم صاحب کے ساتھ گفتگو کرے گا۔

اسکالر دیوانخانہ میں کھڑے ہو جائیں گے۔

سارا کی ماں نان خریدے گی۔

آپ تہران سے نکل جائیں گے۔

ہم گھر کا سامان فروخت کریں گے۔

وہ اپنے استاد کے سوال کا جواب دیں گے۔

کھلاڑی میدان میں دوڑیں گے۔

میں کتابیں لائبریری لے جاؤں گا۔

آج رات آپ ایک خوب صورت لباس پہنیں گے۔

پرویز کار کو تبدیل کرے گا۔

آج ہم شیراز سے واپس لوٹیں گے۔

پروین ڈونگے باورچی خانہ میں رکھے گا۔

میں نہیں جاؤں گا۔

ہم نہیں جائیں گے۔

تو نہیں جائے گا۔

تم نہیں جائیں گے۔

وہ نہیں جائے گا۔

وہ نہیں جائیں گے۔

کل میں اسکول نہیں گیا۔

کل میں اسکول نہیں جاؤں گا۔

کل تو نے اپنے دوست کو نہیں دیکھا۔

کل تو اپنے دوست کو نہیں دیکھے گا۔

کل اس نے اپنی کتاب مجھے نہیں دی۔

کل وہ اپنی کتاب مجھے نہیں دے گا۔

کل ہم نے ایک کار نہیں خریدی۔

کل ہم ایک کار نہیں خریدیں گے۔

کل آپ نے اپنی کتاب نہیں پڑھی۔

کل آپ اپنی کتاب نہیں پڑھیں گے۔

کیا تو اپنے کپڑے دھوئے گا؟

نہیں میں اپنے کپڑے نہیں دھوؤں گا۔

کیا میں اپنے ہمسائے کو دیکھوں گا؟

نہیں تو اپنے ہمسائے کو نہیں دیکھے گا۔

کیا کاوہ خط لکھے گا؟

نہیں کاوہ خط نہیں لکھے گا۔

کیا ہم شیرینی کھائیں گے ؟

نہیں آپ شیرینی نہیں کھائیں گے۔

کیا آپ مکان خریدیں کے ؟

نہیں ہم مکان نہیں خریدیں گے۔

کیا وہ جاپان جائیں گے ؟

نہیں وہ جاپان نہیں جائیں گے۔

کیا تو اصفہان سے واپس آئے گا؟

نہیں میں اصفہاں سے واپس نہیں آؤں گا۔

کیا میں شیراز میں سیر کروں گا؟

نہیں تو شیراز میں سیر نہیں کرے گا۔

کیا کاوہ اپنا خط ارسال کرے گا؟

نہیں کاوہ اپنا خط ارسال نہیں کرے گا۔

کیا آپ ریڈیو سنیں گے ؟

نہین ہم ریڈیو نہیں سنیں گے۔

کیا ہم تہران سے نکل جائیں گے ؟

نہیں آپ تہران سے نکل نہیں جائیں گے۔

کیا وہ اپنا کام کریں کے ؟

نہیں وہ اپنا کام نہیں کریں گے۔

کیا وہ لائبریری سے نکل جائیں گے ؟

نہیں وہ لائبریری سے نکل نہیں جائیں گے۔

کیا تو اپنے کمرے کو صاف کرے گا؟

نہیں میں اپنے کمرے کو صاف نہیں کروں گا۔

کیا آپ یہاں رہیں گے ؟

نہیں ہم یہاں نہیں رہیں گے۔

کیا تیری ماں اس دکان سے خریداری کرے گی؟

نہیں میری ماں اس دکان سے خریداری نہیں کرے گی۔

کیا کل لائبریری میں چھٹی ہو گی؟

نہیں کل لائبریری میں چھٹی نہیں ہو گی۔

کیا ڈاکیہ تیرے لئے خط لائے گا؟

نہیں ڈاکیہ میرے لئے خط نہیں لائے گا۔

کیا میں تیرے دوست کو دیکھوں گا؟

نہیں میں تیرے دوست کو نہیں دیکھوں گا۔

کیا ژالہ کی ماں بازار جائے گی؟

نہیں ژالہ کی ماں بازار نہیں جائے گی۔

کیا تیرا ابّا تیرے لئے کتاب لائے گا؟

نہیں میرا ابّا میرے لئے کتاب نہیں لائے گا۔

کیا کیومرث سیر کو جائے گا؟

نہیں کیومرث سیر کو نہیں جائے گا۔

کیاآپ اپناکام انجام دیں گے ؟

نہیں ہم اپناکام انجام نہیں دیں گے۔

کیاوہ مسکرائیں گے ؟

نہیں وہ نہیں مسکرائیں گے۔

میں خوشحال ہوں۔

میں گھر میں ہوں۔

تولڑکی ہے۔

تواسکول میں ہے۔

وہ ڈاکٹر ہے۔

ہم کاریگر ہیں۔

ہم کارخانہ میں ہیں۔

آپ جوان ہیں۔

آپ گلی میں ہیں۔

وہ خوش ہیں۔

وہ باورچی خانہ میں ہیں۔

Lesson – V

بچے کلاس میں باادب اور باقاعدہ بیٹھے تھے۔ مگر ایک بچہّ انتہائی شائستہ تھا۔ وہ مسعود تھا۔ بچےّ استاد کے منتظر تھے۔ وہ سبق پڑھنا چاہتے تھے۔ سائنس کا استاد کمرے میں داخل ہوا اور سبق شروع کیا۔ استاد مختلف مسائل کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے۔ مسعود استاد سے سوال پوچھنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ وہ اس سبق سے بہت دلچسپی رکھتا ہے لیکن وہ اپنے سوالات پوچھنے کی جرات نہیں رکھتا ہے۔ بدقسمتی سے مسعود منوچہر کی طرح بہت شرمیلا تھا۔ اس نے ایک بار اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور استاد سے اجازت چاہی۔ مگر فوراً اپنا ہاتھ نیچے کیا اور کہا معاف کیجئے میں کوئی سوال پوچھنا نہیں چاہتا ہوں۔

مسعود باادب ہے۔

مسعود ایک باادب لڑکا ہے۔

کاوہ مسعود کی طرح باادب لڑکا ہے۔

مسعود اور کاوہ باادب ہیں۔

مسعود اور کاوہ باادب بچےّ ہیں۔

سارا نے حساب کے تمام سوالات اپنی کاپی پر لکھے۔

اس کتاب کے تمام سوال آسان ہیں۔

کیا جوادی صاحب نے آپ کے سوالات کے جواب دئے۔

میں نے ان سوالوں کے جواب دئے ہیں۔

آپ نے مختلف سوالوں کے جواب دئے ہیں۔

آپ نے مختلف سوالوں کے بارے میں گفتگو کی ہے۔

پرویز کے پاس رنگ برنگ کوٹ ہیں۔

آپ طرح طرح کے سوالات رکھتے ہیں۔

اس نے مختلف کتابیں پڑھیں ہیں۔

طرح طرح کے لباس مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں۔

ژالہ طرح طرح کے پھل پسند رکھتی ہے۔

آپ فورا میرے بعد آئے۔

میں آپ کو فورا جواب دے رہا ہوں۔

وہ فورا ہمارے گھر آئے۔

وہ سینما سے فوراً ہمارے گھر آئے۔

بچّے کلاس میں باادب بیٹھے تھے۔

ژالہ کا کمرہ مرتّب ہے۔

میں اسے باسلیقہ دیکھ رہا ہوں۔

وہ باادب ہمارے گھر آ رہے ہیں۔

گفتگو

قرار سینما

بہرام جناب کریم صاحب کی منزل؟

ناشناس (اجنبی) نہیں جناب، آپ کو شک ہوا ہے۔

بہرام اوہ، میں معافی چاہتا ہوں۔

بہرام جناب کریم صاحب کی منزل؟

پروین ہاں تشریف رکھیئے۔

بہرام اسلام وعلیکم خانم، آپ کے مزاج ٹھیک ہیں؟

پروین اسلام وعلیکم بہرام، آپ کے مزاج کیسے ہیں، اماں جان ٹھیک ہیں؟

بہرام سلام بھیجا ہے، معاف کیجئے گا، میں نے آپ کو تکلیف دی، کاوہ گھر میں ہے؟

پروین بہرام خان ٹھہریئے، میں آپ کو خدا حافظ کر رہی ہوں، اماں جان کی طرف سے سلام پہنچایئے گا۔

بہرام سلامت رہو خدا آپ کی حفاظت کرے۔

کاوہ جی اسلام وعلیکم بہرام آپ کیسے ہیں؟

بہرام میں ٹھیک ہوں، شکریا۔ اچھاکاوہ کل شام کے پانچ بجے میں اور دارا گلی کے نکڑ پر آپ کا انتظار کریں گے۔

کاوہ مگر کیوں؟

بہرام پوچھ رہے ہو مگر کیوں؟آپ نے سینماحال بھلا دیا ہے؟

کاوہ واہ آپ نے کیا خوب فرمایا، میں نے فراموش کر دیا تھا۔

بہرام بد قسمتی سے نادر بیمار ہوا ہے۔

کاوہ ہاں لیکن اس کی جگہ منوچہر آرہا ہے۔

بہرام دیکھتا ہوں منوچہر جانتا ہے میں پانچ بجے آرہا ہوں۔

کاوہ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ ابھی اسے ٹیلیفون کروں اور یہ بات بتادوں۔

بہرام بہت خوب، اب کل تک دوبارہ نہ بھول جانا۔

کاوہ نہیں اب دوبارہ میں نہیں بھولوں گا۔

بہرام امید کرتا ہوں، خداحافظ۔

کاوہ خداحافظ۔

چند جملے

میں آپ کے بیچ آیا ہوں۔

یہ حیوان میرے لئے مصیبت ہے۔

آپ دخل نہیں دیتے ہیں۔

اس کی آواز میرے کام میں رکاوٹ بن گئی ہے۔

وہ بہت دخل دیتا تھا۔

کیاآپ نے کوئی پروگرام رکھا ہے؟

آپ کاپروگرام کیا ہے۔

تمہارے کام کاپروگرام کیا ہے؟

کیاآپ کاپروگرام مفید ہے؟

تمہاراپروگرام زیادہ اچھا نہیں ہے۔

اس نے اپنا سبق بھلادیا ہے۔

میں نے اپ کا نام بھلادیا ہے۔

میں نے بھلادیا ہے آپ کا گھر کہاں ہے۔

آپ نے آج کاپروگرام بھلادیا ہے۔

توسب چیزوں کو بھلارہا ہے۔

میں ابھی گھر پہنچا۔

انہوں نے اس وقت یہ موضوع مجھے کہا۔

ہم اس وقت یہاں سے جا رہے ہیں۔

تو نے ابھی مجھے آواز دی۔

آپ نے ابھی دوپہر کا کھانا کھایا۔

اس نے پھر ہمیں نہیں دیکھا۔

میں نے پھر اس سے بات نہیں کی۔

آپ نے پھر اسے نہیں دیکھا۔

وہ پھر جنگل کی طرف نہیں گئے۔

وہ اب جنگل کی طرف نہیں جا رہے ہیں۔

کاوہ کا دوسرا دوست بہرام ہے۔

بہرام کاوہ کا دوسرا دوست ہے۔

میں نے دوسری کتاب پڑھی۔

پرویز نے ایک اور کار خریدی۔

یہ پرویز کی دوسری کار ہے۔

بیماری نادر

کل نادر بیمار ہوا تھا، اسے زکام لگا تھا۔ بار بار چھینک رہا ہے۔

کبھی کبھی کھانسی بھی کرتا ہے۔ اس کے گلے میں درد ہو رہا ہے۔

انتالیس ڈگری بخار ہے۔ آخر کار دوپہر سے پہلے وہ اپنی ماں کے ساتھ

اسپتال گیا۔ اسپتال میں کچھ مریض انتظار میں تھے۔ نادر نے آس پاس نظر ڈالی۔ ایک دل کا مریض ہے۔ دوسرا دانتوں کا۔ بیمار ڈاکٹر کا انتظار کر رہا ہے۔ پندرہ منٹ کے بعد نرس نے نادر کو آواز دی۔ نادر اور اس کی ماں ڈاکٹر کی کلنک میں داخل ہوئے۔ ڈاکٹر اندرونی امراض کا ماہر تھا۔ پہلے اس نے نادر سے کچھ سوال پوچھے۔ نادر نے ڈاکٹر کے تمام سوالوں کے جواب دئے۔

اس کے بعد ڈاکٹر نے اس کا بلڈ پریشر اور نبض دیکھی۔ اور نادر کا مکمل چیک اپ کیا۔ آخر میں ڈاکٹر نے کہا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ محض زکام ہے۔ کچھ گولیاں اور کیپسول اور ایک شربت لکھ رہا ہوں۔ اس نسخے سے ٹھیک ہو جاؤ گے۔

نادر اور اس کی میں نے ڈاکٹر سے اجازت چاہی۔ خدا حافظ کہا اور کلینک سے باہر آئے۔ انہوں نے دکان سے دوائیاں خریدیں اور گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں نادر نے اپنی میں سے کہا میں ٹھیک ہوں۔ قدیم زمانے میں زندگی نہیں بسر کر رہا ہوں کیوں کہ اس زمانے میں لوگ سادہ بخار سے مر جاتے تھے۔

ماں نے نادر کو جواب دیا ہاں بالکل سچ ہے۔ اس زمانے میں بیماریاں زیادہ غالب رہتی تھیں۔ مثلا ٹائفائیڈ، کلوریا، ٹیوبر کلوسسز، اور سمال پکس

وغیرہ خوش قسمتی سے آج ان بیماریوں پر قابو پایا گیا ہے۔

نادر نے بات آگے بڑھاتے ہوے کہا لیکن بد قسمتی سے بہت بیماریاں مثلا کینسر اور ایڈز نے ان کی جگہ لی ہے۔ ہر سال بہت سارے لوگ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔ اس سب کے باوجود میں مطمئن ہوں آنے والے وقت میں علم طب ان بیماریوں کے علاج کا طریقہ ڈھونڈ نکالے گا۔

چند جملے

کاوہ ابھی اپنے دوست کے لئے خط لکھ رہا ہے۔

ابھی ہم پہاڑ کی طرف جا رہے ہیں۔

ابھی میرے دوست ہمارے گھر آ رہے ہیں۔

ابھی میں دادا جان کے گھر جا رہا ہوں۔

ژالہ نے اپنے اسباق مکمل طور سے پڑھے۔

میں اسے اچھی طرح سے پہچانتا ہوں۔

کاوہ نے کھانا اچھی طرح سے کھایا ہے۔

نادر مکمل طور ٹھیک ہو گیا ہے۔

اس نے یہ سبق ہمیں اچھی طرح سے یاد دلایا۔

بوڑھا آدمی بیمار تھا اور بالآخر مر گیا۔

یہ بلّی مر چکی ہے۔

بیمار اسپتال میں مر گیا۔

یہ جانور بیمار ہے اور جلدی مر جائے گا۔

بیچارہ طوطا پنجرہ میں مر جائے گا۔

کاوہ نے اپنی کتابیں اکثر پڑھی ہیں۔

وہ اکثر دن میں کھیلنے جاتے ہیں۔

ہم اکثر دن میں لائبریری میں سبق پڑھتے ہیں۔

اکثر میرے دوست جوان ہیں۔

ہم اکثر ان کو پہچانتے ہیں۔

میں لائبریری جاؤں گا۔

تو لائبریری جائے گا۔

وہ لائبریری جائے گا۔

ہم لائبریری جائیں گے۔

آپ لائبریری جائیں گے۔

وہ لائبریری جائیں گے۔

میں لائبریری نہیں جاؤں گا۔

کاوہ لائبریری جارہا ہے۔

کاوہ کہاں جارہا ہے۔

میں جارہا ہوں۔

ہم جارہے ہیں۔

تو جارہا ہے۔

تم جارہے ہو۔

وہ جارہا ہے۔

وہ جارہے ہیں۔

تو کیا کام کر رہی ہے؟

میں گملے کو پانی دے رہی ہوں۔

کاوہ کیا کام کر رہا ہے؟

کاوہ خط لکھ رہا ہے۔

آپ کہاں جارہی ہیں؟

ہم سینماحال کی طرف جارہی ہیں۔

وہ کہاں سے آرہی ہیں؟

وہ پارک سے آرہی ہیں۔

میں ہمیشہ کوٹ پہنتا ہوں۔

تواس وقت کوٹ پہن رہاہے۔

تو روزانہ لائبریری جاتا ہے۔

کاوہ اب میدان میں جارہاہے۔

کاوہ پیراور جمعرات کو میدان میں جاتا ہے۔

ہم آج رات دادی جان کے گھر جارہے ہیں۔

آپ روزانہ بارہ بجے کھانا کھاتے ہیں۔

آپ اس وقت کھانا کھارہے ہیں۔

وہ ہر رات کو کتاب پڑھتے ہیں۔

وہ اس وقت کتاب پڑھ رہے ہیں۔

میرے پاس کتاب ہے۔ میں اخبار پڑھ رہاہوں۔

Lesson no – VI

میرے پاس فارسی ہے تاریخ پڑھ رہا ہوں۔

میرے پاس سائنس ہے خط پڑھ رہا ہوں۔

تیرے پاس پھل ہے شہد کھا رہا ہے۔

تیرے پاس ناشتہ ہے دوا کھا رہا ہے۔

سارا کے پاس چچا جان کا گھر ہے ڈاکخانہ جا رہی ہے۔

سارا کے پاس اسکول ہے بازار جا رہی ہے۔

سارا کے پاس لائبریری ہے سینما جا رہی ہے۔

ہمارے پاس کمرہ ہے کھڑکی صاف کر رہے ہیں۔

ہمارے پاس گاڑی ہے باورچی خانہ صاف کر رہے ہیں۔

آپ اپنی ماں کے پاس ہیں ڈاکٹر کے ساتھ بات کر رہے ہیں۔

آپ اپنے دوست کے پاس ہیں ہمسایہ کے ساتھ بات کر رہے ہیں۔

آپ پرنسپل صاحب کے پاس ہیں اپنی بہن کے ساتھ بات کر رہے ہیں۔

وہ سینما رکھتے ہیں اصفہاں واپس جا رہے ہیں۔

ان کے پاس اسکول ہے بازار واپس جا رہے ہیں۔

وہ جاپان میں ہیں پارک واپس جا رہے ہیں۔

کاوہ کیاکام کر رہاہے؟

وہ دوپہر کا کھانا کھا رہاہے۔

کیاکاوہ دوپہر کا کھانا کھا رہاہے؟

ہاں وہ دوپہر کا کھانا کھا رہاہے۔

کیاکاوہ چائے نوش کر رہاہے؟

نہیں وہ کھانا کھا رہاہے۔

توکیاکام کر رہاہے؟

میں کمرے کی صفائی کر رہاہوں۔

کیاتو کمرے کی صفائی کر رہاہے؟

ہاں میں کمرے کی صفائی کر رہاہوں۔

کیاتو کپڑے دھو رہاہے؟

نہیں میں کمرے کی صفائی کر رہاہوں۔

بچّے کیاکام کر رہے ہیں؟

وہ سبق پڑھ رہے ہیں۔

کیا بچّے سبق پڑھ رہے ہیں؟

ہاں وہ سبق پڑھ رہے ہیں۔

کیا بچّے کھیل رہے ہیں؟

نہیں وہ سبق پڑھ رہے ہیں۔

آپ کیاکام کر رہیں؟

ہم اخبار پڑھ رہے ہیں۔

کیاآپ اخبار پڑھ رہے ہیں؟

ہاں اخبار پڑھ رہے ہیں۔

کیاآپ رسالہ پڑھ رہے ہیں؟

نہیں ہم اخبار پڑھ رہے ہیں۔

ہم کیاکام کر رہے ہیں؟

آپ کھیل رہے ہیں۔

کیاہم کھیل رہے ہیں؟

ہاں آپ کھیل رہے ہیں۔

کیا ہم بات کر رہے ہیں؟

نہیں آپ بات کر رہے ہیں۔

ژالہ کیا کام کر رہی ہے؟

وہ خط لکھ رہی ہے۔

کیا ژالہ خط لکھ رہی ہے؟

ہاں وہ خط لکھ رہی ہے۔

کیا ژالہ املا لکھ رہی ہے؟

نہیں وہ خط لکھ رہی ہے۔

ہم کیا کام کر رہے ہیں؟

آپ سیر کر رہے ہیں۔

میں جاتا تھا، ہم جاتے تھے۔

تو جاتا تھا، تم جاتے تھے۔

وہ جاتا تھا، وہ جاتے تھے۔

تو کیا کام کرتی تھی؟

میں گلدستہ کو پانی دیتی تھیں۔

کا وہ کیا کام کرتا تھا؟

کا وہ خط لکھتا تھا۔

تم کہاں جاتے تھے؟

ہم فلم دیکھنے جاتے تھے۔

وہ کہاں سے آتی تھیں؟

وہ باغ سے آتی تھیں۔

میں ہر رات کو کتاب پڑھتا تھا۔

میں کتاب پڑھتا تھا۔

تو روزانہ فٹ بال کھیلتا تھا۔

تو فوٹ بال کھیلتا تھا۔

وہ روزانہ بارہ بجّے کھانا کھاتا تھا۔

وہ کھانا کھاتا تھا۔

ہم ہر ہفتہ لائبریری جاتے تھے۔

ہم لائبریری جاتے تھے۔

آپ سنیچر کے دن میدان میں جاتے تھے۔

آپ میدان میں جاتے تھے۔

میرا بیمار دوست

حال ہی میں میرا دوست بیمار ہوا۔ وہ کئی مرتبہ فزیشن کے پاس گیا مگر وہ ٹھیک نہیں ہوا۔ بلآخر ڈاکٹر نے اسے اسپتال بھیج دیا۔ میں یوں ہی اسے ملاقات کرنے کے لئے اسپتال چلا گیا۔ غالبا" اس کے لئے تحفہ لیا۔ مثلا" آخری مرتبہ ایک مجلّہ خریدا اور اسے دیکھنے کے لئے گیا۔ میرے دوست نے مجھ سے رسالہ لیا اور بہت خوش ہوا۔

کل بھی میں اسپتال گیا تھا۔ جس وقت میں نے اسے دیکھا، میں بہت خوش ہوا کیوں کہ اس کی حالت بہتر ہو چکی تھی۔، وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔ وہ بھی مجھے دیکھ کر انتہائی خوش ہو گیا۔ اسی اثنا میں ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا اور میرے دوست کا معائنہ کیا معائنہ کرنے کے بعد وہ مسکرایا اور بولا جناب آپ کل تک بالکل ٹھیک ہو جائیں گے۔ اور کل آپ کو اسپتال سے چھٹی مل جائے گی۔

ہم دونوں بہت خوش ہو گئے۔ میں نے دوست کو مبارک باد دی اور کہا کل صبح آپ کو گھر میں دیکھوں گا۔ مکر میں مطمئن ہوں اگلے ہفتہ یقینا" آپ کو میدان میں دیکھوں گا۔

چند منٹوں کے بعد میں نے اسے الوداع کیا اور خوشی سے اسپتال سے باہر نکل گیا۔

کیا آپ روزانہ لائبریری کا رخ کرتے ہیں۔

کل میں یہاں آیا لیکن آپ موجود نہیں تھے۔

وہ اسپتال کی طرف گیا ہے۔

کیا تو نے اس ڈاکٹر کو کنسلٹ کیا ہے۔

میں یہ خط آپ کے لئے بھیجوں گا۔

اس نے اپنے لڑکے کو جاپان بھیجا۔

تو نے اپنی کتاب میرے لئے بھیجی ہے۔

وہ اپنی تصویریں آپ کے لئے بھیج رہے ہیں۔

میں آپ کی ملاقات کو آؤں گا۔

آپ کی ملاقات سے میں خوش ہو گیا۔

کیا آپ ان سے ملاقات کر رہے ہیں؟

میں ان سے ملاقات کر رہا ہوں۔

میں یقینا" آپ کی ملاقات کو آؤں گا۔

ہم یقینا" آپ کے گھر آ رہے ہیں۔

کیا آپ یقینا" ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں

وہ یقینا" مجھے دیکھے گا۔

گفتگو

بہرام : کون سی کتاب پڑھ رہے ہو کاوہ ؟

کاوہ : میں ایک افسانہ پڑھ رہا ہوں۔

بہرام : عجیب ! تو افسانہ بھی پڑھ رہا ہے۔

کاوہ : یہ افسانہ بہت دلچسپ ہے مگر مشکل بھی ہے۔

بہرام : کیا وجہ ہے، تو ہمیشہ علمی کتابیں پڑھتا ہے۔

کاوہ : کیوں کہ تو نے فقط میری علمی کتابیں دیکھی ہیں۔

لیکن میں لٹریچر اور افسانہ کی کتابیں بھی پسند کرتا ہوں۔ تجھے کیا پسند ہے؟ تو بھی افسانہ پڑھتا ہے۔

بہرام : کبھی کبھار پچھلے ہفتے میں نے سیمین دانشور کا افسانہ سوشون پڑھا تھا۔

کاوہ : غور سے پڑھا؟ اتفاقا" یہ افسانہ بھی سوشون ہے۔ میں بھی یہی افسانہ پڑھ رہا ہوں۔

بہرام : کتنا دلکش ! بظاہر ہمارا شوق ایک دوسرے سے بہت ملتا جلتا ہے۔

میں اس داستان کو بہت پسند کرتا ہوں۔

کیا تو نے یہ داستان پڑھی ہے؟

ہم یہ داستان پسند کرتے ہیں۔

سکینڈر کی داستان بہت مشہور ہے۔

چھٹی کا دن

آج جمعہ ہے۔ کاوہ اور بہرام عام طور پر جمعہ کے دن پہاڑ کی طرف جاتے ہیں۔ مگر اس ہفتہ ایک اور آدمی ان کے ساتھ ہے۔ یہ آدمی منوچہر ہے۔

کل اسکول کے احاطہ میں بہرام اور کاوہ شمالی تہران کے پہاڑوں اور جنوبی تہران کے جنگلوں کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ منوچہر ان کے پاس سے گزر رہا تھا۔ کاوہ نے منوچہر کو آواز دی اور اسے تہران کے آس پاس پہاڑوں کے بارے میں پوچھا۔ منوچہر نے جواب دیا میں ایک مرتبہ دربند کے پہاڑوں پر گیا ہوں۔ میری نظر میں وہاں سے تہران کا منظر انتہائی دلکش دیکھائی دیتا ہے۔ خاص کر کے موسم برسات کے بعد۔

بہرام نے خوشی سے کہا کل ہم پہاڑ پر جائیں گے۔ منوچہر تو بھی کل ہمارے ساتھ آنا۔ منوچہر نے جواب دیا میں بھی آنا چاہتا ہوں۔ لیکن کاوہ نے اس سے بات کرنا چھوڑ دی اور کہا اچھا اب کل صبح سویرے چھ بجے میں آپ کو لینے آؤں گا اور اکٹھے دربند کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

اب کاوہ اور بہرام اپنے نئے دوست کے ساتھ پہاڑ کی بلندی کی طرف جا رہے ہیں۔ پونے گھنٹے کے بعد وہ ایک چائے کی دوکان پر پہنچے۔

کاوہ نے کہا اس دوکان مین ٹھنڈی ہوا، گرم دودھ، کھجور اور بسکٹ مزیدار ہیں۔ اس کے علاوہ ہم میں سے کسی نے ناشتہ نہیں کیا ہے۔ ناشتہ کرنے کے بعد وہ کوہ پیما جوان کی طرح آگے بڑھنے لگے وہ۔ انھوں نے درختوں کے بیچ سے چند چھوٹے پلوں کو عبور کیا۔ کبھی پہاڑ کے نشیب و فراز زیادہ اور کبھی کم غالبا" ان کا سفر چٹانوں اور پتھروں کے بیچ سے تھا۔ منوچہر بہت تھکا ہوا تھا اور مسلسل سانس لے رہا تھا آخرکار بولا بہرام اور کاوہ ایسا لگ رہا ہے کہ آپ دونوں ماہر کھلاڑی ہیں۔ میں بہت تھکان محسوس کر رہا

ہوں کاوہ نے منوچہر کی طرف دیکھا اور کہا میرے خیال میں آج کے لئے کافی ہے لیکن اگلے ہفتے آپ پھر ہمارے ساتھ آئیں گے۔

کیا دلکش منظر۔

کیا خوبصورت منظر۔

کیا آپ اس منظر کو پسند کرتے ہیں۔

میں نے پہلے یہ منظر دیکھا تھا۔

آپ نے پہلے یہ منظر مجھے دیکھائے تھے۔

کاوہ آپ کے بعد یہاں آیا۔

کاوہ نے اس کتاب کے بعد سائنس پڑھی۔

دوشنبہ یک شنبہ کے بعد آتا ہے۔

میں ہفتہ کے بعد اسے دیکھوں گا۔

Lesson no-VII

ایک دن مسلمان نوجوانوں کی جماعت

زورآزمائی میں مشغول تھی

اور اپنی طاقت کو ایک بڑا پتھر اٹھانے

کے ساتھ آزمارہے تھے

ہر جوان اس پتھر کو اپنی طاقت

کے مطابق اوپر اٹھاتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہونچے

اور ان سے پوچھا آپ کیا کر رہے ہیں۔

انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں کہ

دیکھیں ہم میں سب سے زیادہ

طاقتور کون ہے۔ ہماری سر

بلندی کا کمال اس سے زیادہ

بہتر اور کیا ہو سکتا ہے کہ

خدا کا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان

فیصلہ کرے

یہ کہتے ہوئے وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

کے ارد گرد گول دائرے میں جمع

ہو گئے، سب منتظر تھے اور دیکھ

رہے تھے کہ پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ان تمام جوانوں میں سب سے زیادہ

طاقتور کس نوجوان کو قرار دیں گے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سب

سے زیادہ طاقتور وہ جوان ہے جو اپنا

مقصد حاصل کرنے کے لئے دوسروں

کے حق کو پائمال نہ کرے اور جب اسے

غصّہ آئے تو وہ ناپسند رفتار اور بد کلامی

سے پرہیز کرے اور جب وہ کسی مقام پر

پہونچے تو تکبر نہ کرے

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری پیغمبر ہیں

جوان چاہتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درمیان فیصلہ کریں

کیوں کہ وہ خدا کے رسول ہیں

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب سے زیادہ طاتور وہ شخص ہے

جو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے دوسروں کا حق پائمال نہ کرے

ناپسندیدہ رفتار اور بدکلامی سے پرہیز کرے جب اسے کوئی منصب مل جائے

تو غرور نہ کرے۔

میں نقّاشی کو پسند کرتا ہوں

کل وہ اسکول جائے گا

ہم گرمیوں میں ییلاق جائیں گے

جوان زور آزمائی میں مشغول تھے

ہر کوئی پتھر کو اوپر اٹھاتا تھا

آپ میں سب سے زیادہ طاقتور کون ہے

سردی میں ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے

میرے پاس پاکیزہ لباس ہے

سبھی جوان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد جمع ہو گئے۔

Lesson no- VIII

خیر اور شر کی داستان

دو دوست تھے۔ ایک کا نام خیر اور دوسرے کا نام شر تھا۔ ایک دن انہوں نے سفر کا ارادہ کیا۔ ہر ایک نے اپنے ساتھ پانی سے بھری ہوئی مشک اور کھانے پینے کا سامان اٹھایا۔ وہ چلتے گئے یہاں تک کہ ایک جنگل میں پہونچے جو موسم گرما کی گرمی کی شدّت سے جلتے ہوئے تندور کی مانند گرم تھا اور لوہا اس جنگل میں سورج کی گرمی سے نرم ہو جاتا تھا۔ خیر کہ جو اس بیابان سے بے خبر تھا اپنے ساتھ اٹھائے ہوئے پانی کا آخری قطرہ نوش کر لیا اور پیاسا رہ گیا۔ لیکن وہ اپنے خبیث دوست کی بری خصلت سے واقف تھا اس نے کوئی بات نہیں کی یہاں تک کہ ایک جگہ وہ پیاس کی شدّت سے بیہوش ہو کر گر گیا اور اس کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔

آخر کار اس نے دو قیمتی موتی جو اپنے ساتھ اٹھائے تھے پانی کے ایک گھونٹ کے بدلے میں شر کو پیش کئے۔ شر نے ناپاکی اور بری خصلت کی وجہ سے موتی قبول نہیں کیے اور کہا کہ میں تجھ سے دھوکا نہیں کھانا چاہتا ہوں۔ تو پیاسا ہے اس لئے مجھے لعل دے رہا ہے اور جب شہر پہونچیں گے تو انہیں واپس لے جائے گا تو مجھے ایسی چیز عطا کر کہ جو تو بعد میں ہر گز واپس نہیں لے سکے گا۔

خیر نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ شر نے کہا اپنی آنکھیں مجھے دے۔ خیر نے کہا تجھے خدا سے شرم نہیں آتی مجھ سے ایسی چیز مانگ رہا ہے آجا اور ان موتیوں کو لے لے اور پانی کا ایک گھونٹ مجھے دے۔ خیر نے جس قدر منّت سماجت کی کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ جب پیاس کی شدّت سے اس کو جان کے لالے پڑ گئے تو اس کی شرت قبول کی اور کہا اٹھ تلوار اور چھری لے آ اور اس پیاسے کو پانی کی شربت پلا

شر نے چاقو اٹھایا اور اپنے جگری دوست کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے نکال دیں اور پانی دیئے بغیر ہی نکل گیا۔

اس کے کپڑے، خورد ونوش کا سامان اور موتی اٹھائے اور اس نابینا آدمی کو خالی ہاتھ چھوڑ دیا ایک امیر گڈریا جس کے پاس بہت بھیڑ بکریاں تھیں۔ اپنے گھر والوں کے ساتھ جنگلوں میں سے گزرتا تھا اور جہاں کہیں پانی اور گھاس دیکھتا تھا تو وہاں دو ہفتے تک قیام کرتا اور اس کے بعد اپنے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کو چرانے کے لئے دوسری جگہ لے جاتا تھا۔ اتفاقا" ان دنوں اس کا قیام اسی جنگل میں ہوا۔ گڈریا کی خوب صورت بیٹی پانی کی تلاش میں روانہ ہو گئی اور راستے سے بہت دور اس نے ایک چشمہ دیکھا۔ اس نے پانی کا ایک مٹکا بھرا اور جوں ہی چاہا کہ گھر جائے اس نے دور سے رونے کی آواز سنی۔ جس طرف سے رونے کی آواز آ رہی تھی لڑکی اس کی سیدھ میں چلی گئی وہاں اچانک ایک نابینا جوان کو دیکھا جو اندھے پن کی وجہ سے زمین پر پڑا تھا اور پیاس کی شدّت سے رو رہا تھا اور خدا کو پکار رہا تھا۔ یہ لڑکی اس کے سامنے گئی اور اس کی نکالی ہوئی آنکھوں کو جو ابھی گرم تھیں اٹھایا اپنی جگہ پر رکھا اور ان کو مضبوط بند کیا۔ اس کے بعد جوان آدمی کو ہاتھ سے پکڑا اور اسے اپنے ساتھ گھر لے گئی۔ اس کے آرام کے لئے مناسب جگہ تیار کی اور اچھی غذا اس کو کھلائی اور اسے سلا دیا۔

رات کے وقت جب گڈریا گھر واپس آیا تو اس نے ایک بیہوش زخمی جوان کو بستر پر پایا جب وہ جان گیا کہ جوان کی آنکھیں نابینائی کی وجہ سے بندھی ہوئی ہیں۔ اس نے اپنی بیٹی سے کہا کہ پاس میں ایک پرانا درخت ہے جس کی دو اونچی شاخیں ہیں ایک شاخ کے پتوں سے نابینا کی آنکھوں کا علاج کیا جاتا ہے اور دوسری شاخ کے پتوں سے مرگی زدہ لوگوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ لڑکی نے باپ سے مدد چاہی تاکہ اندھے جوان کی آنکھوں کا علاج کرے۔ باپ بغیر کسی تاخیر کے چلا گیا اور مٹھی بھر پتّے لے کر گھر

آیا اور لڑکی کے حوالے کر دئے۔ لڑکی نے ان پتوں کو کوٹا اور نچوڑا۔ ان کا رس بیمار کی آنکھوں میں ڈال دیا۔ جوان ایک لمحہ کے لئے درد کے مارے بے چین ہوا اور اس کے بعد اسے آرام آیا۔

پانچ دن تک خیر کی آنکھیں بند رہیں اور وہ بھی بے حس و حرکت بستر میں آرام کرتا رہا۔ جب پانچویں روز اس کی آنکھوں کی پٹی کھولی گئی تو نکالی ہوئی آنکھیں پھر سے ٹھیک ہو گئیں اور بالکل ایسی ہی ہو گئیں جیسے وہ پہلے تھیں۔

خیر جوں ہی جان گیا وہ ہر ایک چیز دیکھ سکتا ہے تو سجدے میں گر گیا اور خدا کا شکر بجالایا اور اس کے بعد مہربان لڑکی اور اس کے باپ کا بھی شکریہ ادا کیا۔ سبھی گھر والے خوش ہو گئے۔ اس کے بعد خیر روزانہ گڈریا کے ساتھ جنگل میں جاتا تھا اور گلہ داری میں ان کی مدد کرتا تھا۔ خدمت اور ٹھیک کام کرنے کے سبب وہ روز بروز باپ اور بیٹی کے نزدیک عزیز تر ہوتا گیا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس لڑکی کی محبت خیر کے دل میں گھر کر گئی۔ کیوں کہ اس نے اپنی جان کو اس لڑکی کے ہاتھوں سے دوبارہ سلامت پایا تھا اور وہ ہمیشہ اس کی مہربانی سے فیضاب ہو رہا تھا۔ لیکن اپنی جگہ سوچا کہ یہ دولتمند گڈریا ہر گز اپنی بیٹی کو مجھ جیسے غریب اور مفلس کو نہیں دے گا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بغیر مال و اسباب جمع کئے ہوئے ایسی حسین لڑکی حاصل کی جا سکتی ہے۔ بلآخر اس نے سفر کا ارادہ کیا تا کہ اس کے دل میں لڑکی کی محبت اور زیادہ نہ بڑھے۔

رات کے وقت اس نے اپنے سفر کا ارادہ گڈریا کے سامنے ظاہر کیا اور کہا میری آنکھوں کا نور آپ کی کرم فرمائی کی وجہ سے اور دل و جان بھی آپ کی شفقت ہی کی وجہ سے محفوظ ہے۔ میں نے آپ کے دستر خوان سے بہت کچھ کھایا اور آپ کی غریب نوازی سے بہت خوشحال ہوں۔ آپ کی شکر گزاری اور احسان مندی جتنی مجھ سے ادا ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی۔ اب خداوند آپ کو جزائے خیر دے۔ اگر آپ سے جدا ہونے پر میں دکھی اور غمگین ہو جاؤں گا۔ لیکن بہت عرصہ گزر چکا ہے کہ جب سے میں

وطن عزیز سے دور پڑا ہوں۔ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں کہ کل صبح سویرے میں گھر کی جانب عازم سفر ہو جاؤں گا۔

گڈریا اس کی یہ خبر سن کر بہت غمگین ہوا اور کہا ارے کہاں جا رہے ہو؟ مجھے ڈر ہے کہ کہیں دوبارہ شر جیسے دوست کے پنجہ میں نہ آ جاؤ۔ اب اس وقت آپ کے پاس ناز و نعمت اور تمام سہولیات مئیسر ہیں میرے پاس صرف اکلوتی بیٹی ہے اور اس کے علاوہ بیشمار دولت ہے

اگر آپ کو ہماری لڑکی پسند ہے۔ تو آپ ہماری جان سے عزیز ہیں میں آپ کو اپنا داماد قبول کرتا ہوں۔ میرے پاس جتنے بھی اونٹ اور بھیڑ بکریاں ہیں سب مال و دولت آپ کو ہی بخش دیتا ہوں تاکہ صاحب ثروّت بن جائیں۔ خیر نے جب گڈریا کی یہ بات سنی تو بہت خوش ہوا عزم سفر سے چشم پوشی کی۔ دوسرے دن جشن منعقد کیا گیا اور چوپان نے اپنی بیٹی کا نکاح خیر سے کیا خیر کافی مصیبت اٹھانے کے بعد خوش بختی اور سرافرازی کی منزل پر پہونچ گیا۔

کچھ عرصہ کے بعد گڈریا نے اپنے گھر والوں کے ساتھ اس جگہ سے کوچ کیا۔ خیر کوچ کرنے سے پہلے اس درخت کے پاس چلا گیا جس کے پتّوں سے اس کی آنکھوں کی بینائی واپس آئی تھی اور اس درخت کے پتّوں سے دو تھیلیاں بھر دیں۔ ایک تھیلی کے پتے مرگی زدہ بیماروں کے علاج کے لئے اور دوسری تھیلی کے پتے اندھے لوگوں کے علاج کے لئے۔ یہ دونوں تھیلیاں اپنے ساتھ اٹھائیں اور سب راستے پر چل پڑے۔

گڈریا کے گھر والوں نے ایک لمبا راستہ طے کیا۔ یہاں تک کہ شہر پہونچے۔ اتفاقاً" اس شہر کے بادشاہ کی بیٹی مرگی کی بیماری میں مبتلا تھی اور اس زمانے کا کوئی بھی ڈاکٹر اس کا علاج نہیں کر پاتا تھا۔ بادشاہ نے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ اپنی لڑکی اس شخص کو کو بخش دے گا جو اس لڑکی کا علاج کرے گا۔ اور وہ (بادشاہ) اس شخص کا سر قلم کر دے گا جو اس کی بیٹی کا حسن و جمال تو دیکھے مگر اس کی بیماری کا علاج نہ

کرے۔اس مقام اور شان و شوکت کو پانے کے لئے ہزاروں اپنے اور بیگانے لوگ اپنا سر کٹوا چکے تھے۔ خیر نے جب یہ بات سنی تو اس نے ایک آدمی بادشاہ کے حضور بھیجا اور کہا کہ آپ کی بیٹی کا علاج اس انسان کے ہاتھوں میں ہے جو طمع اور لالچ کے بغیر کام کرے اور اس کام میں صرف خدا کی رضا ڈھونڈے۔ بادشاہ نے اس کی خواہش قبول کی اور کہا خدا کرے خیر کا انجام بھی اس کے نام جیسا ہو۔اس کے بعد بادشاہ نے خیر کو اپنے مشیر کے ساتھ لڑکی کے محل میں بھیجا۔

خیر نے لڑکی کو دیکھا جو بہت پریشان اور بے آرام ہے اس کو رات کی نیند اور نہ دن کا آرام وسکون میئسر ہے۔ خیر نے بغیر کسی تاخیر کے ان پتّوں کو کوٹا جو اس نے اپنے ساتھ لائے تھے۔

اس کی شربت تیار کی اور اس لڑکی کو یہ شربت پلائی۔ جوں ہی اس لڑکی نے یہ شربت نوش کی اسے آرام آیا اور میٹھی نیند سو گئی۔ تین دن کے بعد بیدار ہو گئی اور کھانا طلب کیا بادشاہ نے جب یہ خوشخبری سنی فورا" لڑکی کے کمرے میں گیا اور اس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا کیوں کہ اس نے مکمل آرام پایا اور غذا کی خواہش ظاہر کی تھی۔ پس بادشاہ نے خیر کے ساتھ ایک آدمی بھیجا اور اسے خلعت، ہیرے اور جواہرات سے نوازا۔

اتفاقا" بادشاہ کے وزیر کی خوبصورت بیٹی تھی۔ جس کی آنکھوں کو آبلہ کی بیماری نے تباہ کر ڈالا تھا۔ وزیر نے بھی خیر سے درخواست کی تاکہ وہ اس کی بیٹی کی آنکھوں کا علاج کرے۔ خیر نے اپنی شفابخش دوائی سے اس لڑکی کا کامیاب علاج کیا۔ اس کے بعد خیر بادشاہ کے مشیروں میں شامل ہو گیا اور دن گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی جاہ وحشمت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ بادشاہ کی وفات کے بعد شاہی تخت پر متمکن ہوا۔ اچانک ایک دن بادشاہ اپنے ملازموں کے ساتھ سیر و تفریح کے لئے ایک باغ میں گیا۔ راستے میں شر کو دیکھا اس کو پہچانا اور حکم دیا کہ اس آدمی کو بادشاہ کے حضور پیش کیا جائے۔ گڈریا جو بادشاہ کے ملازموں میں سے تھا شمشیر ہاتھ میں لئے ہوئے اسے بادشاہ کے دبار میں پیش کیا۔

بادشاہ نے اس کا نام پوچھا۔ اس نے کہا میرا نام بشر ہے۔ بادشاہ نے کہا اپنا اصلی نام بتاؤ۔ اس نے کہا میرا کوئی دوسرا نام نہیں ہے۔ بادشاہ نے کہا تیرا نام شر ہے۔ کیا تو وہی آدمی نہیں ہے جس نے پانی کے ایک گھونٹ کے بدلے میں اس پیاسے کی آنکھیں نکالی تھیں۔ اور اس کے موتی اسے چھین لئے اور پانی دیئے بغیر ہی جلے ہوئے جگر کے ساتھ اسی بیابان میں تنہا چھوڑ دیا تھا؟ اب جان لے میں ہی وہ پیاسا ہوں جس سے تو نے لعل چھین لئے تھے۔ مگر میری قسمت زندہ اور تیری قسمت مردہ ہے۔

شر نے جب اسے اچھی طرح سے دیکھا پہچانا اور خود کو زمین پر گرادیا اور منت سماجت کرنے لگا کہ اگر میں نے برا کیا ہے مگر میری برائی کو مت دیکھ جو مجھ سے سرزد ہوئی ہے کیونکہ میرا نام ہی شر ہے۔

میرا نام شر ہے اور تیرا نام خیر (نیکی) ۔ پس اگر میں نے اپنے برے نام کے موافق بدی کی ہے مگر تو بھی اپنے اچھے نام کی مناسبت سے اچھا سلوک کر۔ خیر نے اس کو معاف کیا اور آزاد کر دیا۔ لیکن گڈریا نے خیر کی زبان سے اس کی خباست کی داستان سنی تھی اور جانتا تھا کہ اس کا وجود ہمیشہ دوسروں کے لئے رنج اور مصیبت کا باعث ہوگا۔ تلوار سے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔

کہا اگر تم خیر ہو تو خیر اندیش رہو۔ لیکن تو شر ہے اس لئے شر کے سوا تجھ سے اور کوئی کام سرزد نہیں ہوگا۔

Lesson no- IX

انسان دوست فزیشن

رات وسطی افریقہ پر اپنا سایہ ڈال چکی تھی ۔ ایک گھنے جنگل کے درمیان ایک چھوٹا سا گھر دیکھائی دے رہا تھا۔ گرم ہوا درختوں کی شاخوں اور پتوں کو ہلا رہی تھی اور گرم علاقوں کے پھولوں کی خوشبو ساتھ لا رہی تھی۔ کبھی کبھی جانوروں کی آواز اور غراہٹ کان تک پہنچتی تھی۔

اس مختصر مکان کی کھڑکی سے ایک بلند قد آدمی کا جسم جو میز کے پیچھے بیٹھا تھا دیکھائی دیتا تھا۔اس کے سفید اور گھنے بال پر شکن پیشانی

پر بکھرے ہوئے تھے۔اس کی طاقتور انگلیوں کے درمیان قلم آہستہ حرکت کرتا تھا۔

جس وقت وہ آدمی کاغذ کے اوپر سے سر اٹھاتا تھا۔جب اس کی آنکھوں

کی چمک اور چہرے کی جاذبیت آدمی کو حیرت میں ڈالتی تھی۔

وہ آدمی کبھی میز کے پیچھے سے اٹھتا تھا اور کھڑکی سے تاریک جنگل کی طرف نظر ڈالتا تھا اور دوبارہ لکھنے میں مشغول ہو جاتا تھا۔ رات کے اس وقت میں وہ اکیلا جاگتا تھا۔ صرف ان ہی لمحات میں یہ وقت اس کا اپنا تھا۔ وہ اکیلا ان ہی لمحات میں انسانی زندگی کے رازوں کے بارے میں سوچتا تھا اور پھر اس وقت اپنے افکار کاغذ پر لکھتا تھا۔

یہ آدمی ڈاکٹر آلبرٹ شواتیزر ہمارے زمانے کے بزرگوں میں سے تھا۔ جس نے بچپن سے یہ ارادہ کیا تھا کہ اپنے وجود کو دردمندوں، محتاجوں اور لاچاروں کی زندگی بہتر بنانے کے لئے وقف کرے۔ آلبرٹ شواتیزر سال ۱۸۷۵ عیسوی میں فرانس کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔

جوانی کے ابتدائی سالوں سے آلبرٹ محققانہ افکار رکھتا تھا۔ عجیب قسم کے سوالات انسانوں اور چیزوں کے بارے میں کرتا تھا۔ ایسے سوالات بڑے لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا کرتے تھے۔

ان ہی دنوں سے آلبرٹ مسلسل لوگوں کے درد وآلام میں اپنے ہی گرد ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کے درمیان یہ تمام درد اور بیماریاں کیوں وجود رکھتی ہیں۔

ان دکھوں کو کس طرح بٹھایا جاسکتا ہے۔ خود آلبرٹ کسی چیز کی کمی نہ رکھتا تھا۔ طاقتور، صحتمند اور خوش نصیب تھا۔ دوسروں کی تکلیف سے آزردہ ہوتا تھا۔اس کا اعتقاد تھا کہ اقبالمندوں کی ڈیوٹی ہے کہ مایوس اور لاچاروں کی خدمت کرنے میں جلدی کریں۔

آلبرٹ اکثر اس بارے میں سوچتا تھا اور اپنے سوالات کے جوابات پانے کے لئے کتابیں پڑھتا تھا۔ بزرگوں اور دانش مندوں کے افکار کا مطالعہ کیا کرتا اور کتاب کے مطالعہ سے ہر گز سیر نہ ہوتا تھا۔

آلبرٹ شواتیزر نے بارہا بچپن کے دنوں میں کہا تھا کہ انسان کی زندگی کے بہترین سال ۹ سے ۱۴ برس کے درمیان ہوتے ہیں۔ ان برسوں میں دماغ سیکھنے اور محفوظ رکھنے میں بہت زیادہ آمادہ ہوتا ہے۔ نیز ان ہی برسوں میں چاہیے کہ لڑکے اور لڑکیاں دنیا کے عظیم مفکّروں کے افکار سے روشناس ہوں اور خود کے لئے زندگی کی راہ نکالیں۔

آلبرٹ نے بلآخر جس وقت مکتب اور اسکول کی تعلیم اختتام کو پہنچائی تو عین اس وقت جب وہ گرمی کی چھٹیاں اپنے خوبصورت گاؤں میں گزار رہا تھا۔ اس نے اپنی زندگی کا بہت بڑا فیصلہ لیا تھا۔

وہ دن خرداد (جولائی) مہینے کی دھوپ کا ایک روز تھا۔ فضا نیلے رنگ کی، جنگل ہرا بھرا تھا۔ پرندوں کی آوازیں دلوں کو شوق اور خوشی سے لبریز کررہی تھیں۔ آلبرٹ کا دل اس دلکش حسن کے باوجود جوش میں آچکا تھا۔

جس وقت وہ جنگل کے لئے تنگ راستے سے آگے بڑھ رہا تھا اور فطرت کے حسن اور شان کو دیکھ رہا تھا تب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ میں اس حد تک نعمت، تندرستی، پر مسرّت گھر اور آرام کی زندگی سے آسودہ اور بہرہ ور ہوں۔ مگر دنیا کے دوسرے حصّوں میں احتیاج اور رنج حکمراں ہیں۔ کیا یہ تمام بخشیش میرے لئے گوارا ہو سکتی ہیں۔

اس روز سے آلبرٹ کو جو راہ طے کرنا چاہیے تھی، وہ اسے واضح طور پر دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنے ساتھ یہ عہد باندھا کہ تیس (۳۰) برس تک فلسفہ،

اخلاق اور موسیقی کی تعلیم جاری رکھوں گا اور اس کے بعد اپنے ہم نوع دردمندوں کی خدمت کے لئے خود کو وقف کر دوں گا۔

کئی برس گزر گئے۔ اب آلبرٹ تیس (۳۰) برس کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ اور فلسفہ میں ڈاکٹر ہو گیا تھا۔ ایک ماہر گانے والے اور ایک زبردست لکھنے والا شمار میں آتا تھا۔ اس کے باوجود نہ جان سکا کہ کس طرح اپنا مقدّس وعدہ پورا کرے۔

انسان کی خدمت کی تمام راہوں میں اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ یتیموں اور بے سہارا بچوں کی تعلیم وتربیت میں مشغول ہو جائے۔ بے سہارا بچوں کی نگہداشت کرے۔ اپنی زندگی ان پناہ گزینوں پر وقف کرے اور رہا شدہ قیدیوں کی امداد کرے۔

لیکن اس کا صرف وہی اکیلا ملک نہیں ہے جہاں دردمند اور بے سروسامان لوگ پائے جاتے ہیں۔ دنیا میں بہت ایسی جگہیں ہیں جہاں کے لوگ دوسروں کی امداد کے لئے زیادہ محتاج ہیں۔ اس نے بلآخر افریقہ کے جنگلوں کے سیاہ پوست لوگوں میں جانے کا پختہ فیصلہ کر لیا۔

جس وقت آلبرٹ نے اپنے مخلص دوستوں اور گھر والوں کو اپنےارادہ سے آگاہ کیا تواعتراض اور مخالفت کا توفان کھڑا ہو گیا۔اس کے آدمی اور دوست خود سے سوال کرتے تھے کہ کیاآلبرٹ نے اپنی عقل کو ہاتھ سے جانے دیا ہے؟

ایسے جوان نے جس کا مستقبل روشن اور تابناک ہے۔ کیوں ایسا خطرناک فیصلہ لیا ہے۔اس کے وابستہ عزیزواقارب لوگ کوشاں تھے کہ اس کواس بات پر راضی کرلیا جائے کہ وہ خود اپنی سرزمین میں بھی انسانیت کی خدمت بجالا سکتا ہے۔آلبرٹ کے لئے ان کی نصیحتیں بہت ہی ناگوار تھیں۔

انسان دوست فنزیشن

جس وقت عزیزواقارب اور دوستوں نےآلبرٹ شواتیزر کو اپنی رائے میں ثابت قدم پایا تو اسےاس کام سے روکنے کے لئے لڑائی اور ضد پر آمادہ ہو گئے۔ مگرآلبرٹ لوگوں کی مذمّت اور دھمکی سے نہ گھبرایا۔ صرف دل کی آواز پر جو ارد گرد کی تمام آوازوں سے زیادہ قوی ہے، کان لگاتا تھا۔اس نےاپنا فیصلہ لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ سیاہ پوست افریقیوں کی سرزمین میں جا کرزندگی کی دشواریاں دور کرنے میں ان کی مدد کرے۔ ان کے دکھوں کا علاج کرےاور انہیں بہترین زندگی گزارنےاور تندرست ہونے کی راہ سکھائے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے لازم تھا کہ علم طبابت کا بھی کچھ سرمایہ رکھتا ہو۔ اس چیز کے پیش نظر یہ دانا اور فلسفی یہ ماہر گویا تیس برس کی عمر میں دوبارہ یونیورسٹی گیا تاکہ طبابت کا علم حاصل کرے۔

آلبرٹ اڑتیس(۳۸) سالہ تھا کہ اپنےخوبصورت ملک کو پیچھے چھوڑ کرستر ڈبے دوائیاں ،پائدارایمان عزّم مصمم کے ساتھ اپنا طویل سفر افریقہ کے اجنبی ممالک کی طرف شروع کر دیا۔ اس نے

جنگلوں میں سے ایک جزیرے کو جو ایک ندی کے درمیان تھا۔ جس کا نام لامبارنہ تھا اپنی سرگرمی کا مرکز قرار دیا

حکیم کی آمد کی خبر ہر جگہ پہنچ گئی۔ مقامی باشندوں کو لامبارنہ ہجوم سے روکنا ممکن نہ تھا۔ بیماروں اور ان کے رشتہ داروں کو اٹھانے والی کشتیاں لگاتار وارد ہو رہی تھیں۔ مریض خود کو بڑی تکلیف سے اس کے مختصر گھر میں جو ایک ٹیلے کی بلندی پر واقع تھا پہنچاتے تھے یا رشتہ داروں کے وسیلہ سے وہاں پہنچ پاتے تھے۔ اس پر لازم تھا کہ انکی خبر گیری اور دیکھ بھال کرے مگر کس طرح اور کہاں؟

شواتیزر مجبور ہو کر کھلی فضا میں علاج و معالجہ کرنے میں مشغول ہو گیا تھا۔ جلانے والی دھوپ میں پسینہ گرتا تھا۔ ہر روز عصر کے وقت جب ہوا طوفانی اور تیز ہوتی تھی اور بارش موسلا دھار برستی تھی۔ تب وہ مجبورا" طبابت (جراحی) کے اوزار جلدی سے گھر کے ایوان میں لے جاتا تھا۔

شواتیزرات کو جب بستر پر جاتا تو بہت ہی تھکا ماندہ ہوتا تھا مگر سونے کی طاقت نہ ہوتی تھی۔ بیدار رہتا تھا اور اپنے بیماروں کے بارے میں سوچتا تھا وہ ہمیشہ اسی فکر میں رہتا تھا کہ اگر علاج کرنے کے زیادہ زرائع میسیر ہوں تو بہتر طریقے پر بیماروں کو نجات دے سکتا ہے۔

اسے جراحی میں بھی مشغول رہنا تھا۔ لہذا بڑی تلاش و کوشش کے بعد ایک مرغ دانی حاصل کرلی۔ یہ مرغ دانی اس سے پہلے مدتوں سے خالی پڑی تھی۔ کیونکہ اس کے تمام پرندے گوشت خور چیونٹیوں کی خوراک بن چکے تھے شواتیزر نے ڈربہ تعمیر کیا۔ اس کی چھت کے سوراخ جہاں تک ممکن ہو سکا بند کر دئے۔ اس کے دھبے دھو ڈالے۔ اس کی دیواروں پر سفیدی کی اور ایک نیند کی سفری چوکی (چارپائی) اس میں ڈال دی۔ اس چوکی کو بطور تخت جراحی استعمال کرتا تھا۔ یہ چھوٹا سا کمرہ گرمیوں میں سخت تکلیف دیتا تھا۔ استوائی خط کی کرنیں بوریے کی چھت سے اسکے اندر چمکتی تھیں اور ڈاکٹر نہایت بردباری سے انہیں برداشت کرتا تھا۔

کبھی کبھار شواتیزر پر ناامیدی طاری ہو جاتی تھی آیا وہ اپنا مشکل فریضہ دوسروں کی مدد کے بغیر آگے لے جاسکتا ہے؟ دوائیوں کا جو زخیرہ بچا کھچا تھا وہ بھی ختم ہونے کے قریب تھا۔ گرمی نے اسے جھلسا دیا تھا اور وسائل نہ ہونے کی وجہ سے شدید طور پر رنجیدہ تھا۔ اتنی نحوست اور بد بختی کے بالمقابل ایک آدمی کے ہاتھ سے کیا کام بن سکتا ہے۔ مقامی باشندے نہ صرف جسمانی امراض میں مبتلا تھے بلکہ جادو ٹونے اور بیہودہ باتوں کا اعتقاد بھی شدّت سے یہاں کے باشندوں کے درمیان رائج تھا۔

شواتیزر کی خواہش تھی کہ وہ مقامی لوگوں کو بیہودہ باتوں کے چنگل سے چھٹکارا دلائے مگر کیسے؟ کس طرح وہ اکیلا ان مشکلات کو بیچ سے ہٹا سکتا تھا۔

ان تمام مشکلات کے باوجود شواتیزر دن بدن اپنی کوشش میں اضافہ کرتا تھا۔ یہاں تک کہ جو خطوط اس نے لکھے تھے اور جو سفر کئے ان سے اس نے فلاح و بہبود کی انجمنوں کو اپنے کام کی جانب متوجہ کرلیا۔ چنانچہ چند برس بعد اس قابل ہو گیا کہ انکی مدد سے سامان سے لیس ایک اسپتال بنا سکے۔ جس قدر یورپ کے لوگ اور فلاح و بہبود کی انجمنیں شواتیزر کے کام کی اہمیت وافادیت سے آگاہ ہوتی تھیں، اتنی ہی زیادہ امداد کرتی تھیں۔

یورپ کی تمام ولایتوں سے اس کے لئے تحائف بھیجے گئے۔ دوائیوں سے بھرے ہوے ڈبے، سرجری کے اوزار، باریک کپڑے اور خشک دودھ کے کنستر۔

شواتیزر امیروں کے عطیات و تحائف کا متشکر تھا۔ مگر اس کی خوشی اور شادمانی اس وقت کمال کو پہنچ گئی۔ جب مفلسوں کی طرف سے ہدیے پاتا تھا۔ تنگدستوں کا احسان زیادہ حیرت انگیز تھا۔ محنت کش دھوبی ہر ہفتے اپنے ایک دن کی نصف آمدنی شواتیزر کے اسپتال کو بھیجتا تھا۔ ایک یتیم خانہ کے بچے بھی ہر مہینے شوربا پر قناعت کرتے تھے۔ تاکہ اپنی اس کٹوتی سے شواتیزر کے بیماروں کے لئے مچھلیوں کی ایک

مقدار جو خوراک بن سکے فراہم کر سکیں۔ کئی برس اسی طرح گزر گئے تھے اور شواتیزر ایک مفلس ترین اور دنیا کے ایک حصّے کی بدترین آب وہوا میں اپنی خدمات انجام دے رہا تھا۔

لامبارنہ کا اسپتال نہ صرف بیمار انسانوں کو اپنی گود میں قبول کرتا تھا اور شفا دیتا تھا بلکہ بیمار جانوروں کے لئے بھی پناہ گاہ بنا ہوا تھا۔

بوڑھے اور بیمار حیوانات دور اور نزدیک سے آ کر شواتیزر کے گرد جمع ہو جاتے تھے۔ بعض جانوروں کو مقامی باشندے ساتھ لاتے تھے۔ بعض کو گردش کے دوران شواتیزر اپنے ساتھ لاتا تھا۔ بیمار جانور جوں ہی علاج پاتے اور ٹھیک ہو جاتے تو پھر جنگل کی طرف واپس لوٹ جاتے۔ لامبارنہ ان جانوروں کو اس قدر پسند آتا تھا کہ بعض وہیں رہ جاتے تھے اور کچھ جانے کے بعد دوبارہ وہاں لوٹ آتے تھے۔ قسم قسم کے جانور جیسے طوطی، شتر مرغ، پالتو پرندے، یہاں تک کہ ہرن، بلی اور بندر ایک دوسرے کے پہلو میں زندگی بسر کرتے تھے

ان برسوں کا شمار جو شواتیزر نے لامبارنہ میں گزارے پچاس کے قریب پہنچتا ہے۔ اس عرصے میں دو عالمگیر جنگیں اہل جہاں کے لئے عظیم مصائب کا پھل لائیں۔ شواتیزر نے بھی دونوں جنگوں میں تھکا دینے والے صدمات برداشت کئے اور مدتوں گرفتار رہا۔ مگر ہر حال میں اپنے کام اور کوشش سے دستبردار نہیں ہوا۔ اس مدت کے دوران لامبارنہ کا اسپتال عالمگیر شہرت پا چکا تھا۔ یہ اسپتال اب اس مرغدانی سے جسے شواتیزر نے اپنے کام کا آغاز کرنے کے لئے بنایا تھا بالکل بدل چکا تھا، بے نظیر بن گیا تھا۔

اب یہ پنتالیس عمارتوں والی آباد اور خوبصورت جگہ بن گئی تھی۔ سائبان لگے ہوئے تھے، چھوٹے بڑے مکانات اور گودام تھے۔

دنیا کے مختلف گوش و کنار سے ڈاکٹر اور نرسیں شواتیزر کی امداد کو آ چکے تھے۔ انہوں نے تمام چیزوں سے آنکھ بند کر کے اپنی زندگی لامبارنہ کے اسپتال کی خدمت کے لئے وقف کر دی تھی۔

سال ۱۹۰۲عیسوی میں دنیا کا سب سے بڑا انعام "نوبل امن" شواتیزر کو عطا ہوا۔ جس روز صبح صویرے اخبارات نوبل پرائز حاصل کرنے والے کے نام کی دنیا والوں کو خبر دے رہے تھے۔ اس وقت اس انعام کا لینے والا لامبارنہ میں بیمار ہرنوں کے ٹھکانوں کی تلاش میں مشغول تھا۔

شواتیزر ہماری صدی کا ایک بڑا انسان جس نے اپنی زندگی حبشیوں کے قدموں میں بکھیر دی اور اپنا عشق و محبت لاچاروں اور دردمندوں کی خدمت میں قربان کیا۔ بلآخر چھیاسی ۸۶ برس کی عمر میں لامبارنہ کے اسپتال میں اپنے سیاہ پوست بیماروں کے پہلو میں جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ اس نے دنیا والوں کو پتہ دیا کہ دنیا میں آنا اور مسرّت وشادکامی کی زندگی بسر کرنا ایک حقیقی انسان کی روح (ضمیر) کو خوش نہیں کر سکتا۔ صحیح خوش نصیبی اور حقیقی سکون دوسروں کو راحت اور آسائش پہنچا کر ہی حاصل ہوتا ہے۔

وزن اٹھانے والے

ایک دن مسلمان نوجوانوں کی ایک جماعت زور آزمانے میں مصروف تھی۔ وہ اپنی طاقت کو ایک بڑا پتھر اٹھانے سے آزمارہے تھے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی طاقت کے مطابق اس پتھر کو اوپر اٹھاتا تھا۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس پہونچے اور ان سے پوچھا: آپ کیا کر رہے ہیں؟

انہوں نے کہا ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہم میں سب سے زیادہ طاقتور کون ہے۔

اب اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا! یہ ہماری سربلندی کا کمال ہے کہ خدا کا پیغمبر صلعم ہمارے درمیان فیصلہ کریں۔

یہ کہتے ہوئے وہ حضرت محمد صلعم کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ سبھی نوجوان دیکھ رہے تھے اور منتظر تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ طاقتور کس جوان کو قرار دیں گے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے زیادہ طاقتور وہ شخص ہے جو اپنا مقصد پانے کے لئے دوسروں کا حق پایمال نہ کرے۔ جب اس سے غصّہ آئے تو اس پر قابو پائے، ناپسندیدہ رفتار اور بدکلامی سے پرہیز کرے اور جب وہ جاہ و منصب پر پہونچے تو تکبّر نہ کرے۔

Unit-II

فداکاری مادر و عزم وارادۂ فرزند

میرا نام کریستی براؤن ہے۔ سال ۱۹۳۲عیسوی میں موسم بہار میں ایک دن پیدا ہوا ہوں۔ بارہ مہینے تک میں دوسرے بچوں کے ساتھ کوئی فرق نہیں رکھتا تھا۔ لیکن ایک ایسا وقت آگیا کہ جب میری ماں متوجہ ہوئی کیونکہ میں دوسرے بچوں سے مختلف ہوں اور وہ (ماں) مجھے کھانا دینے کے لئے مجبور ہے۔ میرے سر کو اپنے ہاتھوں سے اوپر اٹھاتی ہے۔ جب میں تھوڑا بڑا ہو گیا تو میری دوسری کمزوریوں کو دیکھنے لگی اور سمجھ گئی کہ نہ صرف میرا سر بے حرکت ہے بلکہ جسم کے کسی اعضاء کو اپنے اختیار سے حرکت نہیں دے سکتا ہوں۔ حتی کہ میں جڑوں سے دودھ کی شیشی کی چوچی (پستان) منہ میں نہیں پکڑ سکتا ہوں جس وقت میں ایک سال کا ہو گیا چاہیے تھا کہ کچھ تکیے میرے پہلو میں رکھیں گے تاکہ ان کے سہارے میں پھروں اور بیٹھ سکوں آہستہ آہستہ جب میں بڑا ہو گیا خود بھی متوجہ ہوا کہ میں دوسرے بچوں سے فرق رکھتا ہوں۔ ایک گوشت کے ٹکڑے کی طرح کبھی اس کونے میں کبھی اس کونے میں گرتا تھا۔ جس قدر میں چاہتا تھا کہ تھوڑی سی حرکت کروں میرے بدن کے تمام اعضاء کانپتے تھے اور گر جاتا تھا۔

شہر کے تمام ڈاکٹر میرے علاج سے ناامید ہو گئے تھے اور میری ماں سے کہتے تھے کہ مجھے ایک اسپتال جہاں اپاہج اور مفلوج بچوں کا علاج کیا جاتا ہے میں داخل کرے۔ میری ماں مجھ سے پہلے پانچ صحیح سالم بچوں کو جنم دے چکی تھی۔اس کے لئے مشکل تھا کہ مجھ سے چشم پوشی کرے۔اس دلیر اور مہربان ماں نے مصمم ارادہ کیا کہ گھر میں میری رکھوالی کرے گی۔ ہمیشہ میری خدمت کرکے مجھے ایک بہترین انسان بنائے گی۔

میں پانچ سال کا مکمل ہو چکا تھا کہ ایک رات کو میری بہن میرے پاس بیٹھی تھی اور بلیک بورڈ پر اپنے اسکول کا سبق دہرا رہی تھی۔ اچانک میرے دل میں خواہش پیدا ہو گئی کہ میں بھی ایک کام کروں کہ جو وہ کر رہی تھی۔ میں نے اپنے جسم کی پوری طاقت کو جمع کیا تاکہ بائیں پاؤں کی انگلیوں سے چاک کا ٹکڑا پکڑ لوں اور کچھ لکیریں ترتیب سے بورڈ پر کھینچوں۔ سب کے سب خاموش اور بے حرکت مجھے دیکھ رہے تھے۔ میری ماں ایسی حالت میں کانپ رہی تھی میرے پاس آئی۔ پہلے بلیک بورڈ پر حروف الفبا رزہ لکھے۔ اس کے بعد مظبوطی سے تختے کو میرے پاؤں کے نیچے پکڑ رکھا اور کہا کریستی میری طرح کوشش کر، ان کے اوپر ہاتھ پھیر۔ لیکن میں اس کام کو انجام نہیں دے سکتا ہوں۔ میری ماں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور حسرت بھری نگاہوں کے ساتھ دیکھ رہی تھی تاکہ میں کام کو انجام دوں۔ آخرکار میں نے بورڈ کے اوپر ایک ٹیڑھی لکیر کھینچی۔ اسی وقت سے میری حقیقی زندگی کا آغاز ہوا۔

آہستہ آہستہ میں نے حروف الفبا رزہ یاد کئے۔ مجھے یاد آ رہا ہے کہ پہلا لفظ جو میں نے لکھا ماں تھا بعد میں بہت الفاظ یاد کئے۔ یہ کام شروع میں میرے لئے بہت دشوار تھا کیونا کہ چاہیے تھا کہ میں اپنے پورے جسم کو ایک طرف سے دوسری طرف گھماؤں تاکہ اپنے بائیں پاؤں سے لکھنا سیکھوں۔ لیکن تھوڑی تھوڑی اس کی عادت کر لی۔ سات سال کی عمر میں لکھنا اور پڑھنا یاد کیا۔

فداکاری مادر و عزم وارادۂ فرزند (2)

ابھی دس سال کا ہو چکا تھا۔ ایک دن کمرے میں میری ماں کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ میرے بھائی کے رنگین صندوق نے مجھے متوجہ کیا۔ میں نے اپنے آپ کو صندوق کی طرف کھینچا اور صندوق کے ڈھکن کو پاؤں سے کھولا۔ میں نے مصوّری کے قلم کو اٹھایا اور منہ کی تری سے کارڈ بورڈ کے اوپر لکھنا شروع کیا۔ ماں جو کہ میری حفاظت میں تھی نے کہا اگر آپ نقاشی کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کے لئے پانی لاؤں گا۔ میں نے کوئی بات نہیں کی۔ میری ماں گئی اور پانی لے آئی اور تختی کو اچھی طرح زمین پر رکھا۔ میں نے اپنے بائیں پاؤں سے برش اٹھایا اور اس کو پانی کی پیالی میں ڈبویا اور اس کے اوپر سرخ لکیر کھینچی خوشی سے میرا منہ کھل گیا اور مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ ماں کے چہرے کی طرف نگاہ کرکے دیکھنے لگا۔

اس دن کے بعد میں کچھ گھنٹے کمرے کے فرش کے اوپر بیٹھتا تھا اور جب بھی نقّاشی کا سامان میرے آس پاس ہوتا تھا تو میں نقّاشی میں مشغول ہو جاتا تھا۔ صرف کبھی کبھی اپنے ماں باپ سے خواہش کرتا تھا کہ کاغذ کو کمرے کی دیوار پر چسپاں کریں۔ اس طرح سے میں نے آہستہ آہستہ خود بھی سیکھ لیا۔

کئی سال گزر گئے اور میں ہمیشہ اپنی محنت اور سعی کے اثر اور دن رات کی زحمت اٹھاتے ہوئے ماں کے پاس جاتا تھا۔ اپنا وقت کبھی نقّاشی کیساتھ اور کچھ وقت کتاب پڑھنے اور لکھنے میں اس کے ساتھ گزارتا تھا۔ آہستہ آہستہ لکھنے کے ساتھ میں نے دلچسپی پیدا کی۔ ماں ہمیشہ میری لکھائی کو پسند کرتی تھی اور اس کام میں میری حوصلہ افزائی کرتی تھی ڈاکٹر ایک مدت تک میری ماں کے پاس رہا بلآخر کچھ دنوں کے بعد آمد و رفت کرنے لگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میرے لئے ایک علیحدہ کمرہ بنایا جائے ڈاکٹر اپنا سامان

اس میں رکھ سکےاور میں روزانہ کچھ دیر ان کے ساتھ ورزش کروں لیکن میرے باپ کے پاس اتنے روپے نہیں تھے کہ میرے لئے علیحدہ کمرہ تیار کرے۔

دو دن کے بعد ہی رات کوایک آواز نے مجھے نیند سے بیدار کیا۔ میں نے جوں ہی کھڑکی سے باہر نظر دوڑائی اپنی ماں کو دیکھا جس نے پانی اور سیمنٹ کا تسلہ اپنے پاؤں کے سامنے رکھا ہےاور دیوار کی بنیاد کواونچا کررہی تھی۔ دوسرے دن جس وقت میرے باپ نے اونچی دیوار دیکھی تو تعجب سے منہ کھلا رہ گیا۔ میری ماں نے کہا کریستی کے لئے کمرہ بنارہی ہوں۔ میرے باپ، بہن اور بھائیوں نے آواز دی اور کہا یہ ہمارا کام ہے آپ تشریف رکھیں تاکہ ہم اس کو مکمل کرلیں گے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد ڈاکٹر کے حکم کے مطابق کمرہ تیار ہوا تھا۔

خوش نصیب ڈاکٹر کے علاج نے مجھے اسقدر ٹھیک کیا۔ ایک عرصہ تک میں لندن کے اسپتال میں زیر علاج رہا اب میں روز بروز ٹھیک ہوتا جارہا ہوں۔ یہاں تک کہ آہستہ آہستہ میرا ڈر بھی ختم ہوا۔ میرے علاج کرنے والے ڈاکٹر نے سفارش کی تھی میں بائیں پاؤں سے لکھنے سے پرہیز کروں۔ جب یہ حکمت میرے علاج میں موثّر ثابت ہوئی تو میں نے چاہا کہ ڈاکٹر کی سفارش پر عمل کروں لیکن میرے لئے مشکل تھا کہ لکھنے سے پرہیز کروں۔ کافی عرصہ کے بعد ایک دن میرا چھوٹا بھائی انشاء لکھنے میں مشغول تھا۔ میرے دماغ میں ایک خیال آیا۔ میں نے اسے خواہش کی کہ جو کچھ میں بولوں وہ لکھے۔ میرے بھائی نے قبول کیا۔ اس دن کے بعد میرا کام بولنااور اسکا کام لکھنا تھا۔آہستہ آہستہ میری تحریر مورد توجہ بن گئی اور لوگ مجھے ایک ادیب کی حیثیت سے پہچاننے لگے۔

میری تحریریں اخباروں اور رسالوں میں چھپ گئیں اور اس ترتیب سے ایک اپاہج اور ناقص بچّہ ماں کی قربانی اور عزم کے سبب سے اور اپنے ارادہ و محنت کی بنا پر شہرت اور افتخار کے مرتبہ تک پہنچا اور اپنے خاندان اور ملک کی سربلندی کا باعث بن گیا۔

بانوی فانوس بدست

غالبا" سو (۱۰۰) سال قبل انگلستان کے ایک امیر گھرانے میں کی ایک لڑکی تولد ہوئی جس کا نام فلورانس رکھا گیا۔

اس زمانے میں رواج نہیں تھا کہ لڑکیاں تعلیم حاصل کریں اور اکثر لوگ خاص کر کے اشراف تعلیم کا حاصل کرنا صرف لڑکوں کے لئے ضروری سمجھتے تھے لیکن فلورانس کی بالکل خواہش نہیں تھی کہ وہ عظیم الشان لوگوں کی لڑکیوں کی طرح پرورش پائے۔ اس وجہ سے باپ کی مدد سے حصول علم میں مصروف ہو گئی۔ جب چھوٹی تھی۔ تو ایک دن اس نے ایک ڈاکٹر کی مدد کی تاکہ ایک کتے کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ کی مرحم پٹی کرے اس وقت سے اس کام میں اس کی دلچسپی بڑھ گئی اور جب بڑی ہو گئی۔ اس نے چاہا کہ اس فن کو سیکھنے کی طرف متوجہ ہو جائے۔

اس زمانے میں اکثر خدمت گزار عورتیں ناخواندہ تھیں۔ فلورانس کا خاندان اس وجہ سے کہ ان کی لڑکی نرسنگ کی تعلیم کی طرف مائل ہو گئی تھی اسے سخت ناراض تھے۔ لیکن فلورانس اپنے خاندان کی مخالفت کے باوجود بھی اپنے اس ارادے سے باز نہ رہی اور اس راستے میں کسی بھی کوشش سے دریغ نہیں کیا اور مسلسل خدمت گزاری کے ناپسندیدہ کاموں کو بھی خوشی سے انجام دینے لگی۔ فلورانس نے کئی سالوں تک لندن کے شفاخانوں میں خدمت انجام دی۔ یہاں تک کہ انگلینڈ اور روس کے درمیان جنگ شروع ہوئی اور اس جاں نثار لڑکی کو خبر پہنچی کہ بہت سے سپاہی زخمی ہوئے ہیں اور اس جیسی نرس کی ضرورت ہے۔

فلورانس اڑتیس نرسوں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف دوڑی اور وہاں جنگ میں زخمی ہوئے لوگوں کی خدمت کرنے لگی اور اسپتالوں کی صفائی میں مشغول ہوئی۔ یہاں تک کہ راتوں کو بھی لالٹین

ہاتھ میں لیکر بیماروں کے سرہانے پر آجاتی تھی اور ان کی حوصلہ افزائی کرتی تھی۔ اس طرح سے فلورانس اور اسکی ہم پیشہ نرسوں نے بہت لوگوں کو موت سے نجات دلائی۔ سپاہی اور دوسرے بیمار ان جاں نثار نرسوں کو بڑے احترام سے دیکھتے تھے اور سب سے زیادہ فلورانس کا احترام کرتے تھے اور اسے بانوی فانوس کہتے تھے۔

اسی دوران فلورانس ایک مہلک بیماری سے دوچار ہو گئی اور مجبور ہو کر انگلستان واپس چلی گئی۔ وہ بیماری کی وجہ سے اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ خدمت گزاری کے کام کو انجام نہیں دے سکی۔ لیکن پھر بھی بے کار نہ بیٹھی اور نرسنگ کے فن پر ایک کتاب لکھی۔ اسی دوران ایک ہیلتھ سینٹر فلورانس کے نام سے کھولا گیا اور فلورانس اکثر اس ہیلتھ سینٹر میں کام انجام دیتی تھی۔

اس جاں نثار عورت کو چھیاسی (۸۶) برس کی عمر میں نرسنگ کے لئے ایک بڑے انعام سے نوازا گیا۔ اس وقت تک یہ انعام کسی بھی عورت کو عطا نہ ہوا تھا۔ فلورانس نائٹنگل نے نوے (۹۰) سال کی عمر میں دنیائے فانی کو خیر باد کہا لیکن اس کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہا۔

انتخاب از جوامع الحکایات عوفی

ایک دن پیغمبر علیہ السلام ایک میل مکّہ سے باہر تشریف لے گئےاور نماز ادا کرنے میں مشغول ہو گئے۔ ابوطالب نے انہیں تلاش کیااور نہیں پایا۔ اس سبب سے وہ پریشان ہوااور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلعم کو ڈھونڈنے کے لئے ہر طرف پھرنے لگا۔ حتی کہ ابوطالب نے آپ صلعم کو نماز میں مشغول پایا۔ اب خوش ہوااور بیٹھ گیاجب تک آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ اس وقت ابوطالب نے پوچھا اے بھتیجے یہ کیا ہے جو آپ کررہے ہیں؟ اس نے ہر طریقہ سے آپ کی سرزنش کی۔ آپ نے سر جھکا دیااور نظریں زمیں پر گاڑ دیں حتی کہ ابوطالب خاموش ہوا۔ اس وقت آپ نے فرمایا، جو کچھ میں کر رہا ہوں، خداتعالی نے مجھے اس کام کو کرنے کا حکم دیا ہے اور خوب جان لے اللہ تعالی نے جنت کا وعدہ کیا ہے۔ اگر تو بھی میرے دین میں آئے گا اسی طرح جنت پائے گا۔ آپ نے بڑی عاجزی اور انکساری سے دین اسلام کی دعوت دی۔ اس نے کہااب یہاں کوئی غیر نہیں ہے تو مجھے کوئی معجزہ دکھاتاکہ میں تیرا دین قبول کروں۔ پیغمبر علیہ صلعم نے سامنے ایک درخت دیکھا۔ اس کی طرف اشارہ کیااور اس کو سامنے بلایا اس درخت نے آپ کی پیروی کی اور زمیں سے پھٹ کر سامنے آیا۔ آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وصلعم نے حکم دیاکہ اے درخت جاکر اپنی جگہ کھڑا ہو جا۔ درخت اسی شکل میں جیسے پہلے تھا جاکر اپنی جگہ کھڑا ہوا۔ ابوطالب نے کہااے بھتیجے میں اب تک اہل قریش کو برا بھلا کہتا تھا، اس لئے کہ وہ آپکو جادو گر کہتے تھے اوراب میں نے دیکھاوہ سچ کہتے تھے۔

پیغمبر کو یہ بات ناگوار گزری اور مایوس ہوئے۔ حتی کہ پاک پروردگار نے یہ آیت نازل کی" میں جسے چاہتا ہوں ہدایت بخشتا ہوں اور جسے چاہتا ہوں ہدایت نہیں بخشتا ہوں" آپ کے دل کو خوش کر دیا۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوۂ خندق میں عرب کے کفار جمع ہوئے اور مدینہ کے قریب اتر آئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے پہلے وہاں پہنچے اور چاہاکہ ان کے اور اپنی

لشکرگاہ کے درمیان خندق بنوائے۔ سلمان کو اس امارت پر معمور کیا اور ہر جگہ صحابہ کو تقسیم کیا۔ ہر دس آدمی کے گروپ کو چالیس گز دیا تاکہ وہ اس خندق کو کھودیں اور مٹی باہر نکالیں اور وہ دس گز جو اہل بیت کے حصّہ میں آیا تھا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالی عنہ بھی ان میں شامل تھے۔ خندق کے بیچ میں ایک بڑا پتھر آیا۔ اوزاروں اور ہتھیاروں سے وہ پتھر نہیں ٹوٹا۔ جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حال سے آگاہ کیا گیا کہ خندق کے بیچ پتھر آگیا اور وہ ہتھیار سے نہیں ٹوٹ رہا ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم خندق میں نیچے اترے اور وہ پتھر توڑ دیا۔ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ انہوں نے فاقہ کی وجہ سے اپنے شکم پر ایک پتھر باندھا تھا۔ میں جلدی گھر روانہ ہوا۔ گھر میں میرے پاس جو تھی، ملازم کو میں نے کہا کہ جو کا آٹا پیسے اور صاف کرے میرے پاس ایک بکری تھی اس کو میں نے زبح کیا اور اس کی کھال نکالی اور اپنے گھر والوں کو کہا شور با تیار کریں۔ اور اس آٹا کو پکائیں میں خود آیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کھانا پکانے کا حکم دیا ہے۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قدم رنجہ فرمائیں اور کچھ صحابہ کبار بھی آپ کے ساتھ میرے غریب خانہ تشریف لائیں۔ آپ کا تشریف فرما ہونا میرے لئے باعث رحمت ہوگا۔ آپ ﷺ بہت خوش ہوئے اور منظوری فرمائی۔ اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ اپنے گھر والوں سے کہو تنور میں نان نہ پکائیں اور گوشت ہانڈی میں نہ چڑھائیں۔ جب تک نہ میں تشریف لاؤں۔ جب میں گھر روانہ ہوا حضرت بلال کو آگاہ کیا کہ تمام صحابہ کرام کو دعوت دیں۔ جابر بن عبداللہ نے ہمیں اپنی اپنی جگہ پر مقرّر کیا ہے۔ انھوں نے تمام صحابہ کو بلایا سب صحابہ یہاں آ گئے اور میں دنگ رہ گیا اور بیگم کو کہا بات اس طرح ہے کہ سب صحابۂ کرام ہمارے گھر تشریف لا رہے ہیں اور کھانا ہمارے پاس اتنا موجود نہیں ہے کہ ان کی خاطر تواضع کی جائے۔ میری بیگم نے مجھ سے کہا کیا تو نے سرور کائنات کو صورتحال سے آگاہ نہیں کیا ہے؟ میں نے کہا ہاں تو وہ بولی تو مطمئن رہ جو منظور خدا ہوگا وہی ہوگا۔

پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام ساتھیوں کے ساتھ تشریف لائے اور گھر میں داخل ہوئے اور دست مبارک دھوئے ۔ اپنے دست مبارک سے تھوڑا پانی ہانڈی میں ڈالا۔ میں نے تنور میں نان پکائے اور کھانا تھالیوں میں رکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو رئیس رئیس کہہ کر پکارتے گئے اور سیر ہو گئے۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ حتی ہزار سے زاید آدمیوں نے کھانا تناول فرمایا اور بچا ہوا کھانا عزیز واقارب اور ہمسائیوں میں تقسیم کیا۔

عبداللہ بن مسعود نے گلہ داری کی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ان کے ریوڑ سے ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تیرے پاس دودھ ہے؟ انھوں نے کہا جی ہے لیکن میری بکریوں کا دودھ نہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا تیرے پاس بکری ہے؟ انھوں نے کہا ہاں مادہ بکری۔ وہ سامنے لے آیا جو کمزوری سے چل نہیں سکتی تھی۔ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ سے الگ رہ گئی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھن پکڑے دودھ جاری ہوا۔ بقدر ضرورت پکڑا اور باقی چھوڑ دیا۔

ام معبد کی حدیث مشہور ہے۔جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی ان کے خیمہ میں پہونچے۔ بکری کے سوا کوئی چیز نہیں دیکھی جو کمزوری کے باعث ریوڑ سے باہر رہ گئی تھی۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھن پکڑے اور اتنا دودھ لیا کہ حاضرین سیر ہوئے اور بہت دودھ باقی بچ گیا جو بعد میں ان کے لئے چھوڑا۔ جب رات کے وقت ابوسعید چراگاہ سے واپس لوٹے تو گھر میں دودھ دیکھا، پوچھا دودھ کہاں سے لائے ہو؟ ام معبد نے کہا رحمت للعالمین آج ہمارے ہاں تشریف لائے تھے یہ انکے قدموں کی برکت سے ہے۔ابوسعید نے کہا ان کا حلیہ کیسا تھا یعنی سیرت اور صورت بیان کر۔ام معبد نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکیزہ سیرت بیان کی اور وہ حیات طیبہ کتب سیرت میں موجود ہے اور ہم اسے بیان نہیں کر سکتے ہیں۔ حکایت کی شکل میں اختصار کے ساتھ بیان کی۔

شیریں کلا

میرا ایک دوست ہے جس نے حال ہی میں مازندران میں ایک جاگیر حاصل کی ہے۔ کچھ عرصہ سے وہ اصرار کر رہا تھا کہ دو تین دن کے لئے گاؤں چلیں وہاں آرام کریں اور چین کا سانس لیں۔ وہ کہتا تھا کہ ہم صبح جلدی روانہ ہو جائیں تا کہ دوپہر کو شیریں کلا پہنچ جائیں گے۔ باقی کا دن کل اور پرسوں وہاں خوشی سے گزاریں اور جس وقت تو چاہے واپس آ جائیں گے۔ جتنا ممکن تھا وہ ان مقامات کی آب وہوا اور صفائی کی تعریف کرتا تھا اور بالائی اور تیتر کھلانے کا وعدہ کرتا تھا۔ میں ان دنوں سفر سے گریز کرتا ہوں اور گھر کے کونے سے کسی جگہ کو بہتر نہیں سمجھتا لیکن کیا کروں کہ میرا دوست ہے چاہتا تھا کہ اپنی ٹھاٹھ باٹھ مجھ پر ظاہر کرے اور اسے یہ حق بھی حاصل تھا کیونکہ میں اکثر اپنی تصنیفات سناتا ہوں اور وہ اسے گوارہ کرتا ہے۔

ہم روانہ ہوئے لیکن راستہ میں گاڑی خراب ہو گئی اور سورج غروب ہونے کے قریب ہم پہونچ گئے۔ تھکاوٹ کی وجہ سے جلد سو گئے۔ دوسرے دن صبح ابھی آفتاب کا نام ونشان نہ تھا کہ ہم دریا کے کنارے کھڑے تھے۔ ہماری آنکھیں خواب آلودہ تھیں اور انتہائی ذوق وشوق کیساتھ دیکھ رہے تھے کہ تاریکی آسمان سے آہستہ آہستہ اور شوروغل کیساتھ دور ہو رہی ہے۔ ستارے ٹمٹمارہے ہیں اور کھڑے ہیں۔ پہاڑوں کی چوٹیاں سر نکال رہی ہیں اور اپنے آپ کو ظاہر کر رہی ہیں۔ تاریکی کا پردہ جو پانی کی سطح پر پڑا تھا اور دریا کے شور کو خوفناک بنا رکھا تھا کمزور ہو گیا اور پھٹ گیا۔ مازندران کے وہ تمام دیو اور بھوت جن کے بارے میں شاہنامہ میں پڑھا تھا۔ بڑے بڑے پہاڑوں، بلند درختوں اور گہرے درختوں کی صورت میں نمودار ہو گئے۔

مجھے افسوس ہو رہا تھا کہ میں آنکھ پھڑکوں۔ چندھیائی ہوئی آنکھ کے ساتھ دیکھ رہا تھا تا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جادو بھری نقّاشی ایک ہی بار دیکھ لوں۔ ایک رنگ تھا جو متواتر بکھرتا جا رہا تھا اور ان رنگوں سے

نقش و نگار ظاہر ہو رہے تھے۔ اور مجھے خیال کے طوفان میں ڈوبنے والے شخص کی مانند ہر گھڑی ایک نئی دنیا میں دھکیلا جا رہا تھا۔

جس وقت آفتاب طلوع ہوا اور اس نے دنیا کو دھو کر نیا رنگ روپ دیا اور سفید ہو کر چمکنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ پہاڑوں کی چوٹی پر مخمل کی مانند ہریالی باد نسیم کے جھونکوں سے سو رہی اور بیدار ہو رہی ہے۔ پہاڑ کے دامن کے درخت آپس میں یوں لپٹے ہوئے سروں کو باہم جوڑے ہوئے ہیں کہ گویا رات کے اسرار ہاتھ سے نہ جانے دیں گے۔ دریا کے دونوں طرف جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔ زمین کی پستی اور بلندی پر ہزاروں کھلے پھولوں کے فرش بچھے تھے۔ سرخ پھولوں کی ایک کیاری کے درمیان جو پھول ہوا کے خوف سے ہمیشہ ایک دوسرے کے پہلو میں پناہ لیتے تھے۔ ایک بڑا آگ کی طرح دھکنے والا گلاب کا پھول میں نے دیکھا جو ادھر ادھر اپنا دامن پھیلاتا تھا اور ہر بار ایک ہاتھ ظاہر ہوتا تھا جو اس کے دامن کو کھینچ کر نیچے ہٹا دیتا۔

چونکہ وہ بہت دور تھا۔ میں یہ نہ دیکھ سکا کہ وہ لال شلوار والی لڑکی صبح کو اتنی جلدی سبزہ اور پھولوں کے درمیان کیا کر رہی ہے۔ میرا صاحب جائداد ساتھی بھی لگاتار باتیں کرتا جاتا تھا۔ وہ چراگاہ، دھان کی کاشت اور ریشمی کپڑوں کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا اور مجھے سوال کرنے کا موقع ہی نہ دیتا تھا۔ میں بھی اس کی باتوں کو نہیں سنتا تھا اور اپنے ہی نظارے اور خیالات میں محو تھا اور پوشیدہ محبت کرنے والے ساتھی کے لئے آہیں بھر رہا تھا۔ میرا دل شعر و سخن اور لطیف باتوں پر مائل تھا اور ایک منہ سے آواز سننے کے لئے بیقرار ہو گیا تھا۔

اچانک ایک بیل کی غمزدہ اور بھرائی ہوئی آواز بلند ہوئی، گویا آسمان کے مندر میں پجاری شنکھ بجا رہا ہے۔ میں شوق وجذبہ سے بیقرار ہو گیا اور آنکھیں موند لیں تاکہ دوسری بار اس دلکش نغمہ کو سنوں۔ اس دفعہ دوسری طرف زیادہ زور دار لہجے کیساتھ آواز اٹھی۔ یہ اس طرح تھا گویا کسی سوال کا

جواب آیا ہو۔ دونوں طرف سے پھر آوازیں بلند ہوئیں۔ بے اختیار ہو کر میں نے اپنے دوست سے پوچھا یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

اس نے حیرانگی کیساتھ پوچھا کیا سچ مچ تو نہیں جانتا تو تواہل دل میں سے ہے؟ میں نے کہا ممکن ہےاس سے بہت معنوں میں لیا جائے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ حقیقت کو جان لوں۔ میرے ساتھی نے منہ کھولا تاکہ جواب دے لیکن ابھی اس نے کچھ بھی نہیں کہا تھا کہ اس نے اپنی انگلی ہونٹوں پر رکھی اور اشارہ کیا کہ خاموش رہو اور سنو!

میں نےایک باریک آواز سنی جو ہوا کے جھونکوں سے کم اورزیادہ ہو جاتی میں ان کلمات کو نہ سمجھتا تھا۔ لیکن میرے ساتھی کی حرکات اور مسکراہٹوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ شعر و سخن سے آشنا ہے۔ اس نے آہستہ آہستہ لال شلوار والی لڑکی کی طرف اشارہ کیا اور کہا لیلا محبت بھری آواز سے پکار رہی ہے۔ بیلوں کی باہمی راگنیوں نے اسے عشق کی یاد دلائی ہے۔ میں اس داستان سے واقف ہوں۔

جونہی لیلیٰ کی غزل ختم ہوئی ایک نرم آواز نے فضا کو معمور کیا۔ میرے ساتھی نے کہا یہ مرد جو جواب دے رہا ہے لیلیٰ کا عاشق ہے میں نے کہا باتیں مت کر، چھوڑ مجھے سننے دے۔ مراد پکارتا تھا اور بیل باری باری یا کبھی کبھی مل کر اپنا ترانہ چھیڑ دیتے تھے۔ پہاڑ اور درے، شاید پھول اور بتّے ان ترانوں سے گونج اٹھتے تھے۔ لیلیٰ بھی خاموش نہ تھی۔

ارکستر اور سازوں کے سوال وجواب کا مطلب میں نےاسی دن سمجھا کیونکہ میرا دماغ میرے کان محبت کی جلن اور شور سے متاثر ہونے کو آمادہ تھے۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ اس کے بعد ارکستروں میں ہر ساز پر الگ الگ پوری طرح کان دھروں گا اور ان کی فریاد اور بولی کو سمجھوں گا اور سازوں کی بات چیت کو بغیر سمجھے نہ چھوڑوں گا۔ جب یہ داستان ختم ہوئی تو میں نے کہا اب مراد اور لیلیٰ کا مفصّل حال بیان کر۔ اس نے کہا یہ دونوں ایک دوسرے کے عاشق ہیں اور ایک دوسرے پر جان دیتے

ہیں- میں نے کہا تجھے خدا کی قسم ان کی راہ میں کیا رکاوٹ ہے –جو بھی رکاوٹ انہیں درپیش ہے، آج ہی دور کر اور ان کی شادی کے لئے راستہ ہموار کر- اس نے کہا افسوس ان کے عشق کا معاملہ اس قدر آسان نہیں –ایک اور تیسرا عاشق اس معاملہ میں الجھا ہوا ہے- میں نے پوچھا اس کا کیا مطلب؟ اس نے کہا مراد اور رستم دو چچازاد بھائی ہیں جو دونوں لیلیٰ کو چاہتے ہیں – لیلیٰ بھی دونوں سے محبت کرتی ہے اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتی –لہٰذا اب تک کوئی بھی اس معمہ (مشکل) کو حل نہیں کر سکا ہے –تینوں عشق کی آگ میں جل رہے ہیں دونوں چچیرے بھائی ایک دوسرے کے ایسے دشمن ہو گئے ہیں کہ کئی مرتبہ ایک دوسرے کو ہلاک کرنے کی غرض سے کشتی بھی کی ہے اور ایک دوسرے کو سخت زخمی کیا ہے –دو ماہ قبل خود ان سے اور ان کے والدین سے ضمانت لی گئی کہ آئندہ کشتی نہ لڑیں –لڑکی اور لڑکے نسل کے اعتبار سے کرد ہیں جو کردستان سے مازندران کو ہجرت کرکے آئے ہیں-

میں نے کہا لیلیٰ سے کہو، یہاں آئے بات چیت کریں گے- شاید سمجھ لوں کہ عاشقوں میں سے کس کے ساتھ زیادہ محبت رکھتی ہے پسند کرتی ہے- اس صورت میں اگرچہ وہ کسی دوسرے سے بھی محبت رکھتی ہے- لیکن شادی کے لئے اس کے ساتھ راہ ہموار کرنا چاہیے جسے وہ زیادہ چاہتی ہے اور ان تینوں نوجوانوں کو جان سوز غم سے نجات دلانا چاہیے۔

لیلیٰ آگئی، سنجیدہ اور مغرور چہرے کے ساتھ - عین میرے سامنے کھڑی ہو گئی- اس کا قد سرو کی مانند اونچا، گردن، چھاتی، کلائی، پنڈلی اور اس کے باقی جسمانی اعضا ایسے تھے گویا سالوں ورزش کی ہو- سڈول نرم اور ہموار اس کا چہرا گورا، چٹا، آنکھیں سیاہ اور موٹی موٹی، ناک اونچی، ہونٹ قدرے موٹے ،گالوں کی سرخی، خون کی پاکیزگی اور کثرت کو ظاہر کر رہی تھی- اس نے اپنی گھنی اور لمبی زلفوں کو پہلے ریشمی رومال کیساتھ گانٹھ دے کر سر کے گرد جمع رکھا تھا- اس کا لباس چمکیلا اور چست تھا-

میں نے کہا، میں نے قریب ہی ایک گاؤں خریدا ہے- میں چاہتا ہوں کہ رستم یا مراد کو اس گاؤں کی لمبر داری کے لئے چنوں- تیری نظر میں ان سے کون قابل تر ہے- گویا اس نے میرے حیلہ کو سمجھ لیا تھا- مسکرائی اور بولی، میں دونوں سے ایک جیسی محبت رکھتی ہوں- میں نے پوچھا ان میں سے کون زیادہ طاقتور ہے؟ اس نے جواب دیا دونوں ہی طاقتور ہیں، میں نے پوچھا کون زیادہ مہربان اور حسین ہے؟ بولی ان میں سے ہر ایک ایک جیسا مہربان ہے- میں نے پوچھا کون سا زیادہ خوبصورت ہے؟ اس نے جواب دیا تو خود آنکھیں رکھتا ہے دیکھ لے میرے لئے تو ان میں کوئی فرق نہیں ہے- میں نے اس سے پوچھا کون سا تیرے ساتھ زیادہ محبت رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں ان کے دلوں کے اندر تو نہیں ہوں کہ جان لوں- میں دونوں سے برابر محبت کرتی ہوں- ہم بچپن سے اکھٹے بڑے ہوئے ہیں- یہ دونوں میرے موسیرے بھائی ہیں- میں ان میں سے کسی کو چھوڑ نہیں سکتی ہوں- میں کسی کی بھی برائی نہیں دیکھ سکتی-

میں نے پوچھا آخر کیوں؟ جوانوں کو شادی کرنی چاہیے- تجھے چاہیے ایک کو خاوند بنانے کے لئے چن لے- اس کے سوا چارہ ہی کیا ہے اس نے کہا وہ شادی کر لیں میں شوہر نہیں کروں گی- بغیر خاوند کے ہی مروں گی- اس کے چہرے میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی مگر اس کے گالوں پر آنسوؤں کے قطرے بہنے لگے- میں نے دیکھا کہ اس کے دل کا خون اس کی آنکھوں سے بہ رہا ہے- میں نے کہا میں نے تو مزاق کیا ہے- وہ بھی شادی نہیں کریں گے- مجھ پر ایسی حالت طاری ہوئی کہ بات چیت کو جاری نہ رکھ سکا- گھر کو لوٹ آیا- لمبر دار آ کر کہنے لگا کہ خان مالک کی خاطر آج بیلوں کی لڑائی کروائیں گے- میں نے تکرار کی کہ جہالت کے زمانے کی بے رحمیوں اور رنگ رلیوں کو چھوڑ دو- کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ ہم بے گناہ حیوانوں کی جانیں لڑوائیں- یہ انسان تو نہیں ہیں کہ ان کے دل میں لالچ، حسد اور دشمنی بھری ہو اور وہم و گمان کی بنا پر بلا ہوش اور بے وجہ ایک دوسرے کی جان لیں- یہ جانور ہماری نسبت زیادہ عقلمند ہیں- وہ جانتے ہیں کہ پانی اور گھاس سب کے لئے کافی مقدار میں ہے- وہ کھاتے ہیں اور شکر بجا لاتے

ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ صلح و صفائی سے زندگی گزارتے ہیں۔ ہم اپنی شیطانی روح ان میں کیوں پھونک دیں۔ میں تو نہیں چاہتا ہوں کہ یہ کام ہو۔

لمبر دار ہنس پڑا اور بولا آپ لڑائی سے ڈرتے ہیں لیکن خان مالک دلیر ہے۔ وہ ان چیزوں سے نہیں گھبراتا۔ خان مالک نے کہا میرا ساتھی مزاق کر رہا ہے۔ بلا تامل بیلوں کو لڑاؤ ہم تماشا دیکھیں گے۔ میں اس تماشے کو بہت پسند کرتا ہوں۔ ساتھ ہی اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کمرے کے اندر لے گیا۔ بولا بھائی میں تو تیری نسبت ان بے رحمیوں سے زیادہ بیزار ہوں لیکن مجبور ہوں۔ مجھے چاہیے کہ اٹھوں اور تماشا دیکھوں ورنہ اگر گاؤں والے اور خاص طور پر لمبر دار مجھے بزدل اور نرم دل سمجھیں گے تو میری ہنسی اڑے گی۔

میں نے کہا، پھر کہو کہ مراد اور رستم کو لائیں تاکہ میں ان کے جسموں کو دیکھوں —چند منٹوں کے بعد رستم آ گیا —وہ شاہنامہ کے رستم کی دو شاخہ داڑھی اور شاخدار ٹوپی تو نہیں رکھتا تھا لیکن وہی جوان رستم تھا جس نے مست ہاتھی ناکارہ کیا اور سفید قلعہ کو فتح کیا۔ سرو جیسا قد، چوڑا سینہ، پتلی کمر، وہی تھے جن کا بیان کیا گیا ہے۔ لیکن میں نہیں جانتا کہ آیا قدیم رستم اسی طرح حسین تھا یا نہیں۔ کیا یہی آنکھیں، بھویں، ہونٹ، دانت، کان اور دلکشی رکھتا؟ اس کے ہونٹ پر مونچھیں پھوٹ ہی رہی تھیں۔ اس کی عمر کے بیس (۲۰) سال گزر چکے تھے۔ یعنی وہ بیس سالہ نوجوان تھا۔

تمہید باندھنے اور بے معنی باتیں کرنے کے بعد میں نے پوچھا شادی کرنے کا کب خیال ہے؟ آپ کی کافی عمر ہو چکی ہے تو جلدی کیوں نہیں کرتا ؟ اس نے جواب دیا اگر میرے اختیار میں ہوتا تو دو سال پہلے ہی لیلیٰ سے نکاح کر لیا ہوتا لیکن کیا کروں کہ وہ مراد سے میری نسبت زیادہ محبت کرتی ہے۔ میں نے کہا ایسا نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اگر وہ تیرے ساتھ اس کی نسبت زیادہ محبت نہیں رکھتی، تو کم از کم اس کے برابر تمہیں چاہتی ہے۔ اس نے کہا میں آج ہی اس حقیقت کو معلوم کروں گا۔

میں نے کہا خدانخواستہ تیرا کیا خیال ہے؟ بولا آج میں اور مراد اپنے بیلوں کو باہم لڑائیں گے اور ہم نے آپس میں عہد کیا ہے کہ اگر میرا بیل اس کے بیل کو مات دے دے تو لیلیٰ میرا مال ہو گی اور اگر اس کا بیل میرے بیل کو پچھاڑ دے تو لیلیٰ اس کی ہو گی لیکن مجھے یقین ہے کہ میرا بیل اس کے بیل کو مارے گا۔

خبر آئی کہ مراد آ گیا ہے۔ ہم نے رستم کو رخصت کر دیا اور اسے بلا لیا۔ لیکن یہ ایسا تھا گویا رستم اپنے لباس اور چہرے میں تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ لوٹ آیا ہو۔ بے شک مراد بھی رستم ہی تھا معلوم ہوا کہ یہ ایک دو ماہ قبل دنیا میں آیا۔ ان کی مائیں بہنیں اور ان کے باپ بھائی ہیں۔ وہ اس طرح ہم شکل اور خوبصورت تھے کہ میں نے ہر چند چاہا کہ لیلیٰ کی آنکھ سے ان میں کوئی فرق ظاہر کروں اور ایک کو چنوں۔ لیکن میں نے دیکھا کہ یہ ناانصافی ہو گی۔ مراد بھی امید رکھتا تھا کہ اس کا بیل رقیب کے بیل کو پچھاڑ دے گا اور اسے وصال تک پہنچائے گا۔ میں نے دوست سے کہا کہ بیلوں کی لڑائی نہ دیکھوں گا لیکن اب میں اصرار کر رہا تھا کہ جتنی جلدی ہو سکے یہ کام ہو جائے۔ مجھے یوں دکھائی دے رہا تھا گویا بیل جانتے ہیں کہ وہ محبت کی راہ میں جان کی بازی لگا دیں گے۔ کسی خوف اور رنج کو دل میں جگہ نہ دیں گے۔ دوپہر کے دو گھنٹے کے بعد اعلان ہوا کہ میدان تیار ہے۔ لمبردار کے مکان کے قریب زمین ہموار تھی جو لگ بھگ ستر میٹر چوڑی تھی۔ اس کے ایک طرف نہر اور دوسری طرف چھوٹا سا ہرا بھرا ٹیلہ تھا۔ میدان کی لمبائی اس جگہ تک سو میٹر تھی جہاں تک زمین ڈھلوان تھی۔ گاؤں والے ٹیلے کے اوپر میدان کے دونوں جانب اکھٹے ہو گئے تھے۔

ہم نے اس ٹیلے کے اوپر جگہ لے لی جو زمین سے دو میٹر اونچا تھا۔ چند منٹ بھی نہ گزرے کہ شور بلند ہوا۔ رستم ایک طاقتور جسم والے بیل کے آگے آگے میدان میں آ گیا۔ ایک گلہ گائیں بھی اس کے پیچھے پیچھے پہونچ گئیں۔ رستم میدان کے پہلے تہائی حصّے میں کھڑا ہو گیا۔ اس نے چند منٹوں تک اپنے

بیل کے سر اور کانوں پر تھپکی دی۔ بیل وہیں چت ہو گیا اکثر گائیں بھی ایک دوسرے کے بعد لیٹ گئیں تمام گاؤں والے یہ دیکھنے کے لئے اپنی گردنیں اٹھا رہے تھے کہ مراد کا بیل مقابل کی سمت سے ڈھلوان سے اوپر چڑھے اور میدان میں داخل ہو جائے۔ کافی وقت گزر گیا اور مراد کا بھی پتہ نہ چلا۔ آہستہ آہستہ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور ہر گھڑی بڑھنے لگیں۔ ان باتوں میں جو میں نہ سمجھ سکا، اکثر لفظ وطن خاص مازندرانی لہجے کیساتھ میرے کانوں میں سنائی دیتا۔ چونکہ اس موقع پر لفظ وطن کا استعمال کا محل نہیں دیکھتا تھا اور اس کے علاوہ میری آنکھیں اور ہوش وحواس سراسر لیلیٰ پر مرکوز تھے۔ جو بلند گردن کیساتھ بت کی طرح عورتوں کے بیچ میں کھڑی تھی اور پوری قوت کیساتھ دل کے طوفانی جزبات کو دبائے ہوئے تھی تاکہ ظاہر نہ ہو میں نے یہ نہیں پوچھا کہ گفتگو کا موضوع کیا ہے یا وطن کا مطلب کیا ہے؟

اچانک مراد کا سر، سینہ ،اور جسم ڈھلوان سے نمودار ہوا۔ اس کا بیل اور گلۂ گائے پیچھے تھے۔ رستم کا بیل آہستہ آہستہ زمین سے اٹھا اور ڈکارا۔ اسکی تمام گائیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔ مراد کے بیل نے ایک لمبا نعرہ لگایا اور چند قدم آگے دور کھڑا ہو گیا۔ سموں کو دائیں بائیں رکھا اور سر کو یکدم نیچے کیا۔ رستم کا بیل حملہ کرکے حریف تک پہونچ گیا۔ پھر پیچھے ہٹ کر دوسری بار حملہ کیا اور اپنے سروں کو ایک دوسرے سے ٹکرایا لیکن اس بار ایک دوسرے سے الگ نہ ہوئے بلکہ ایک دوسرے پر دباؤ ڈالنے لگے۔ کبھی یہ اور کبھی وہ۔ ہر بار ایک قدم یا قدرے زیادہ دور تک ایک دوسرے کو پیچھے دھکیلتے تھے۔ عورت مرد اور بچے سبھی لوگ جوش کی حالت میں تھے۔ ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے بیقرار تھے۔ اور بیلوں کی حرکات کیساتھ ساتھ خود بخود کبھی جھکتے اور کبھی سیدھے کھڑے ہو جاتے۔ سوائے لیلیٰ کے جو بت کی مانند کوئی حرکت نہ کرتی تھی اور بیقراری ظاہر نہ کر رہی تھی۔ بیل باہم ٹکرلے رہے تھے اور ایک دوسرے کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ ایک حملے کے دباؤ میں رستم کا بیل نشست گاہ کے پیچھے میدان کے شروع تک پہونچ گیا۔ اچانک اس نے سخت حملہ کیا اور مراد کے بیل کو تیزی کیساتھ ڈھلوان تک دھکیل دیا۔ میں

نے سمجھا کہ کیا ہواجب مراد کا بیل گرپڑااور لڑھکنے لگا- اس کے پیٹ سے خون کا فوارہ چھوٹ پڑا- تماشائیوں کی طرف سے شور و غل بپا ہوااور پھر وہی کلمہ وطن، وطن زبانوں پر جاری ہو گیا- مراد آہستہ آہستہ سے آیا میدان کے درمیان اور ماں کی طرف پیٹھ اور لیلیٰ کی جانب منہ کرکے باآواز بلند ایک لمبی تقریر کی اور چند بار کلمۂ وطن زبان پر لایا اور آہستہ آہستہ مڑ کر چلا گیا-

ایک مرد اور عورت جو اس کے ماں اور باپ تھے، دوڑے اور اس کے ہاتھوں اور جسم کیساتھ لپٹ گئے- اس نے ایک ہی جھٹکے سے دونوں کو پرے ہٹا دیا اور چلا گیا- لوگوں نے شور مچایا اور پھر وہی وطن، وطن کے کلمات اور مطالب کہے گئے- گویا سبھی چاہتے ہیں کہ جائیں اور مراد کو واپس لائیں- لیکن وہ دیکھتے ہیں کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ مراد نے ٹھان لی ہے کہ وہ گاؤں، گھر اور ماں باپ کو چھوڑ دے گا اور مازندران سے چلا جائے گا-

اچانک رنج سے دبی ہوئی بھیڑ سے مراد جان مراد جان کی آواز بلند ہوئی لیلیٰ دوڑی اور مراد کی گردن سے لپٹ گئی- اس کے بدن کی حرکات سے ظاہر تھا کہ فریاد کر رہی ہے- چند منٹوں کے بعد جو اس حالت میں گزرے لیلیٰ اور مراد اکٹھے لوٹ آئے اور ہمارے سامنے آ گئے، مراد نے لمبردار کو کچھ کہا اس نے جواب دیا اور آخر میں ہمیں سمجھانے کے لئے ادبی فارسی میں کہا حق تیرے ساتھ ہے، تیرے ساتھ دھوکا ہوا ہے لیکن اسکے عوض میں خدا نے تجھے لیلیٰ دے دی- لیلیٰ سو بیلوں سے بھی زیادہ قیمت رکھتی ہے-

لوگوں نے خوشی کے نعرے بلند کئے- ہم نے کہا لمبردار جلدی کر ہمیں واقعہ سمجھانے کے لئے ترجمہ کر- وہ بولا رستم نے جان بوجھ کر یا بے سمجھی میں مراد کیساتھ دھوکا کیا- وجہ یہ تھی کہ لڑنے والے بیلوں کو اپنے اپنے گلۂ گائیں کیساتھ ایک ہی وقت پر دونوں طرف سے میدان میں داخل ہونا چاہیے تھا- لیکن صورت یہ ہوئی کہ رستم کا بیل آدھا گھنٹہ پہلے آ گیا اور زمین پر لیٹ کر گھر بنا لیا- جو

بیل کسی جگہ لیٹ جائے اسی کو اپنا وطن یا گھر بنا لیتا ہے۔ اس وقت وطن کی حفاظت کے لئے اس کا زور مقابل یا حریف بیل سے دس گناہ ہو جاتا ہےاور کوئی دوسرا بیل اسے پچھاڑ نہیں سکتا۔ لوگوں کی چیخ پکار اسی وجہ سے تھی۔ مراد بھی اسی دھوکے کی وجہ سے جو اس کے ساتھ ہوا، چاہتا تھا کہ مازندران سے چلا جائے۔ ہاں اگر رستم کے بیل نے وطن نہ بنا لیا ہوتا تو مراد کا بیل پہلے ہی وار میں اس کا کچومر نکال دیتا۔ رستم سیدھی راہ پر نہ چلا۔ خدا نے بھی لیلیٰ کے دل کو مراد کے دل کیساتھ جوڑ دیا۔

اسی رات میرے اسرار پر شادی رچائی گئ ــ صبح ہونے تک گاتے بجاتے رہےاور رنگ رلیاں منائی گئیں۔ میں بھی شوق سے مدہوش تھا اور راحت و مسرت کے عالم میں سنتا اور دیکھتا تھا کہ انسان، چاند، ستارے، آسمان کے فرشتے، مخلوقات اور دنیا کے تمام زرات وطن کی محبت میں گاتے ناچتے ہیں۔ گویا زندگی کی تاریکی میرے لئے روشنی میں بدل گئ تھی۔ میں وہم و گمان سے آزاد ہو گیا ہوں۔ میں اب سمجھتا ہوں کہ کیوں وطن سے پیار کرتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ زمانے کی ماں نے اس محبت کو اپنے پستان کے دودھ کیساتھ ملا دیا ہے۔ اگر چہ پہلے میں نے اس کے بارے میں صرف پڑھا تھا لیکن آج میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ حب وطن وہی تعلق ہے۔ جو گھونسلے، گھر اور جائے پناہ کیساتھ ہوتا ہے اور جو وسعت پاتا ہے اور گلی، محلّہ، شہر او ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ میں خوب سمجھ گیا کہ کیوں افلاطون کہتا ہے کہ زندگی کا مضبوط ترین رشتہ حب وطن ہے یا کیوں آج دنیا کے لوگ وطن کی خاطر یہ سب جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

نظامی گنجوی

حکیم ابو محمد الیاس بن یوسف بن زکی بن موید نظامی ۵۹۹ھ میں بہ مقام گنجہ موجودہ الزبتھ پول پیدا ہوئے جو نواح آذر بائجان میں واقع ہے۔ نظامی نے اپنے اشعار میں کئ جگہ گنجہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ کہتے ہیں۔

نظامی زگنجہ بکشای بند

گر فتاری گنجہ تا چند چند

نظامی نے اپنی مثنوی لیلیٰ و مجنوں میں اپنے والد اور والدہ کا ذکر کیا ہے اور ان کی موت کا درد ناک اشعار میں ذکر کیا ہے۔ غالبا" نظامی کے والدین ان کے بچپن میں ہی انتقال کر گئے تھے۔ نظامی نے شادی بھی کی تھی۔ ان کا ایک لڑکا محمد نامی تھا۔

اس خوش طبع اور سخن سنج شاعر کے حالات اور اس کے کلام کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ظاہر داری کے رسوم کا کچھ ایسا پابند نہ تھا—نظامی نے صرف بادشاہوں سے انعام واکرام حاصل کرنے کے لیے شعر نہیں کہے خصوصا اپنی زندگی کے آخری دور میں وہ گوشہ گیر ہو گئے تھے اور دنیا سے آزردہ تھے۔ انہوں نے امرا کی پیشگاہ میں کبھی اپنا سر نیاز نہیں جھکایا۔ شاعری میں سچائی کا راستہ اختیار کیا۔ جھوٹ اور بری باتوں سے پرہیز کیا۔ نظامی کی شہرت کی بنیاد اور ان کی استادی کا ثبوت ان کی کتاب " خمسہ " یا "پنج گنج" ہے جو مثنوی کی طرز میں لکھی گئ ہے—اس میں کم و بیش ۲۸ہزار اشعار ہیں۔ ان میں سب سے پہلی مثنوی مخزن الاسرار زہد و تقوی اور معنوی مقامات پر لکھی گئ ہے — باقی چار مثنویاں قصص وحکایات پر مشتمل ہیں، ان کے نام یہ ہیں خسرو شیریں، لیلیٰ مجنوں، ہفت پیکر، اور اسکندر نامہ—

سبک اور شاعری :- نظامی کا شمار بہت بڑے داستان سرا شعرا میں ہوتا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ فردوسی کے بعد پھر کوئی دوسرا ان کے برابر شہرت حاصل نہ کر سکا۔ بلا شبہ داستانی مثنوی کے وہ استاد اور دوسروں کے پیشرو ہیں۔

نظامی کا سبک متین اور ان کی نظم شیریں ہے۔ ان کے شعر صاف اور رواں ہیں اور ان کا کلام تنقید سے بالکل پاک ہے لیکن کہیں کہیں ان کے اشعار میں پیچیدہ عبارتیں بھی دکھائی دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ نظامی نے داستان سرائی میں حکیم فردوسی کو اپنا نمونہ بنایا تھا لیکن جیسا کہ کہا جا چکا ہے اس طرز سخن میں خود انہوں نے بڑا کمال حاصل کیا اور امیر خسرو، جامی، اور دوسرے شاعروں کے لئے نمونہ ہے۔ خمسہ کے بعض اشعار جن میں انسان کے فطری اور طبعی احساس کی عکاسی کی گئی ہے—فارسی زبان کی شاعری کے بہترین نمونے ہیں۔

نظامی کے وہ اشعار جو انہوں نے معانی حکمت، توحید اور نعت میں لکھے ہیں، بڑے بلند پایہ اور ایک مخصوص لحن اور بڑی لطافت کے حامل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے مقام توحید اور نعت کو اپنے کلام میں اس طرح پیش کیا ہے کہ اس کی وجہ سے ان کے کلام کو ایک خاص عظمت حاصل ہو گئی ہے۔ اگرچہ شاعر کی نظر داستان سرائی کی طرف ہی رہی ہے۔ اس کے باوجود داستان کے ضمن میں شاعر نے اخلاقی اور حکیمی مضامین بھی پیش کئے ہیں اور غفلت سے جاگنے کی نصیحتیں کی ہیں۔ اس لحاظ سے نظامی کا کلام فردوسی کے کلام سے بہت ملتا جلتا ہے۔ فردوسی نے بھی کہیں کہیں داستان کے ضمن میں پند و عبرت کو نظم کیا ہے۔ پند آمیز اشعار کے درمیان نظامی نے بڑے دلنشیں اور لطیف اشعار لکھے ہیں۔

نظامی نے داستان سرائی کے ضمن میں بہت سے شاعرانہ کمالات کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان میں سے ایک کمال تو وہی پند گوئی ہے جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں—دوسرا کمال عبرت آمیز نتائج کا استخراج ہے جو

انسانی واقعات اور حالات کے ذکر میں آئے ہیں۔ ان نتائج سے شاعر ہمیں متنبہ کرتا ہے اور عین عیش و نوش کے واقعات بیان کرتے ہوئے وہ زمانے کی نا پائداری اور دنیا کی فناپزیری سے خبردار کرتا رہتا ہے۔

عام طور پر نظامی طلوع آفتاب کی منظر کشی یا نسیم سحر کی تعریف یا رات کے تاروں کی تصویر کشی کے بعد اپنی داستان شروع کرتے ہیں ــ پھر اصلی داستان کے ضمن میں بہت سے چھوٹے چھوٹے قصّے بھی سناتے ہیں اور ان قصّوں کو بڑی مہارت اور اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اس طرح انہوں نے صنعت ایجاز کا بڑا کمال دکھایا ہے۔

محمد حجازی

مطیع الدولہ حجازی سال ۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے۔ انکے والد سید نصراللہ ایک فاضل ودانا شخص تھے۔ عربی فارسی کے علاوہ فرانسیسی میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ اپنے زمانے میں حکومت کے مقتدر اشخاص میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ محمد حجازی کی والدہ ہما خانم بھی ایک معزّز خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔

محمد حجازی نے ابتدائی تعلیم تو اپنے والد سے حاصل کی۔ بارہ سال کی عمر تک مدرسہ ہدایت میں پڑھے۔ اس کے بعد ہرات میں کیتھولک اسکول میں تعلیم جاری رکھی۔ فراغت کے بعد ۱۹۲۰ء میں ڈاک اور تار کے محکمہ میں ملازم ہو گئے۔ ۱۹۲۵ء میں انہیں وظیفہ ملا تو وہ ریڈیو انجینئرنگ کی تعلیم کے لئے فرانس گئے لیکن ان کی طبعیت ادب کی طرف زیادہ مائل تھی۔ وہ یورپ میں تقریبا نو سال تک مختلف مضامین پڑھاتے رہے۔ تہران میں واپسی پر پریس کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ۱۹۴۱-۴۳ء میں "ایران امروز" ایک ماہوار مجلّہ کی ادارت کے فرائض بھی انجام دیتے رہے اور دوسرے ادبی مضامین بھی لکھتے رہے۔ انہی خدمات کی بناپر وہ ۱۹۵۰ عیسوی میں نائب وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔

جنگ عظیم دوم کے دوران میں حجازی دہلی میں مقیم تھے اور فارسی زبان میں سیاسی پروپیگنڈ کے مہتم تھے۔ حجازی امن روابط فرہنگی ایران اور پاکستان اور رستہ نیز زناں کے صدر رہے اور خاموشی سے سیاسی اور ملی خدمات انجام دیتے رہے۔

حجازی بڑی سرشار روح کے مالک ہیں۔ وہ سوز عشق میں ڈوبے ہوئے ہیں اور تخیّلی نقوش کو اپنے سوز دوروں سے آراستہ کرتے ہیں اس لئے پڑھنے والے کے دل میں ایک حسین خیال، ایک فکر اور ایک چبھتی ہوئی آرزو پارہے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں۔

حجازی عشق و محبت کے رموز کو سمجھتے ہیں۔ عاشقوں اور معشوقوں پر عشق کی راہ میں جو کیفیات گزرتی ہیں وہ ان کو خوب جانتے ہیں۔ انکے رومانی افسانوں میں یہ عنصر غالب ہے۔ وہ قصّہ کو اس دلچسپی اور سوز سے بیان کرتے ہیں کہ دل پر واردات کی کیفیات طاری ہوتی ہے۔

حجازی کی طبعیت میں ایک حسین توازن ہے وہ افراط و تفریط سے پرہیز کرتے ہیں۔ ہر اجتماعی فساد وخرابی کو واضح کرکے وہ ایک مدّبر راہنما کی طرح راہ مستقیم کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ انسانی قلب وذہن کے گوشوں پر انکی نظر ہے۔ وہ بلند اخلاق کی تلقین کرتے ہیں۔

انکے دل میں نوع انسانی کا درد ہے۔ وہ زمانے کے ستائے ہوئے اور اقتصادی ناہمواریوں کے روندے ہوئے پست حالوں پر اپنی درد مندی کا اظہار کرتے ہیں اور انکی اصلاح اور خوشحالی کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے بھی تبلیغ کرتے ہیں۔

ان کے فلسفۂ اخلاق میں رجائیت ہے۔ وہ زندگی کی مشکلات پر قابو پانا دشواریوں سے مقابلہ کرنا سکھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ زندگی کی مزاحمات سے گھبرا کر خودکشی کرنا بزدلی ہے۔

حجازی فنون لطیفہ کے شیدائی ہیں۔ انکی نگاہ میں نیکی وجمال بہر صورت کہ درآمد و پرستید فی استاور ہنرہای زیبا کی پرورش انسان کا سب سے بڑا ہنر ہے۔ روح کی تربیت صرف فنون لطیفہ کی برکت سے ہے۔ وہ عورت جس کی روح ان نازک اور لطیف فنون کے احساس سے آراستہ ہے وہ باغ بہشت ہے۔ رنج و بیزاری اس باغ میں راہ نہیں پاتے۔

آئینہ :۔ ان کے مختصر مضامین اور کہانیوں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے اپنے تنوع موضوع کے اعتبار سے واقعی وہ ایک حسین مرقع ہے۔ اپنے نام کے اعتبار سے بھی وہ اجتماعی اور معاشرتی حالات و کیفیات کا آئینہ ہے ــ شعر وشاعری، حافظ وسعدی، فردوسی اور نقادی سے لیکر قسمت، شیطانی مکر وفریب،

انسانی ملکوتی نیکی و شرافت، اخلاقی پستی، عورتوں کی جہالت اور زبوں حالی، قومی رہنماؤں اور سیاست دانوں کی عیاری، غرض انسانی کردار کے اکثر شعبوں پر خیالات کا اظہار کیا ہے۔

حجازی کی نثر بہت خوب ہے۔ چھوٹے چھوٹے سیدھے جملے لکھتے ہیں۔ ترکیب میں کہیں پیچیدگی اور ابہام نہیں ہوتا، بلکہ سادگی اور بلا کی معنی خیزی ہے۔ جملوں کے دروبست میں توازن ہے۔ وہ سوچ سمجھ کر لکھتے ہیں۔

ہما: - حجازی کا ایک نفیس اور کامیاب اجتماعی اور اصلاحی ناول ہے۔ کہنے کو تو وہ حسن علی خان اور ہما کی بے لوث محبت کی داستان ہے جس کی بنیاد ہم خیالی اور ہم فکری پر قائم ہے۔ لیکن اس کے ساتھ اندھے عشق کی بے راہ روی اور ہوس و شہوت سے آلودہ محبت کی اندھیر گردی بھی نمایاں ہے۔ اجتماعی خرابیوں کا بھی مناسب ذکر ہے اور ان کی درستی اور اصلاح کے متعلق بھی مذاکرات درج ہیں۔

محمد عوفی

عین الملک کا گلدستہ علم و ادب کا گل نورالدین محمد عوفی تھا- یہ مشہور صحابی عبالرحمان بن عوف کی اولاد میں سے تھا- بخارا میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم بخارا میں ہی رکن الدین، تاج الدین اور مولانا قطب الدین سے حاصل کی- مزید تحصیل علم کے لیے تقریبا" بیس سال کی عمر میں ماوراوالنہر اور خراسان کے گردونواح کے علاقوں کی سیر کی اور یہاں اس علماء وفضلاء سے کسب فیض کیا— ۵۹۷ ھ میں سمرقند میں نے مولانا سدرالاسلام شرف الدین محمد سے حدیث پڑھی اور ان سے روایت حدیث کی اجازت لی- پھر یہیں ملازم ہو گئے—اس ملازمت کے دوران سمرقند کے دربار کے تمام فضلاء اور شعرا کی صحبت میں رہا- مگر یہاں زیادہ دنوں تک نہیں ٹھہرا اور وہاں سے اپنے وطن لوٹ آئے جہاں سے پھر نکل کر خوارزم پہونچا—خوارزم سے شہر نو آیا لیکن راستے میں اس کی مال واسباب لٹ گیا—شہر نو پہونچ کر اس نے ناصرالدین قباچہ کی خدمت میں کچھ رباعیاں لکھ کر بھیجیں- ناصرالدین عوفی سے ملاقات کو نہیں گیا لیکن اس کی سواری کے لیے ایک گھوڑا بھیج دیا-

محمد عوفی ۶۱۷ھ سے قبل ناصرالدین قباچہ کے دربار میں اچہ پہونچا- یہاں اس کو شاہی امام اور واعظ کے عہدے پر فائض کیااور اس کے علم وفضل کی قدردانی کی جب عوفی کو ناصرالدین قباچہ کے وزیر عین الملک کی سرپرستی ملی تو اس سے مالی اور معاشی اطمنان حاصل ہو گیا—تب اس نے شاہی ملازمت کے زمانے میں اپنے قلبی اور زہنی علوم کا جوہر اپنی کتاب "لباب الالباب" پر مشتمل ایرانی شاعروں اور ادیبوں کے حالات پر فارسی کی نہایت اہم کتاب ہے-اس میں فارسی شعر کی ابتداء سے لیکر مصنّف کے زمانے تک کے شاعروں اور ادیبوں کے حالات درج ہیں- عوفی ایک بہترین ادیب ہونے کے ساتھ ساتھ ایک جلیل القدر شاعر بھی تھا-اس کی وعظ گوئی، نثر نگاری اور سخن سنجی قابل داد و تحسین ہیں-

ہمارے نصاب میں جوامع الحکایات کے باب اوّل "در معرفت آفریدگار تعالی وتقدّس" کی حکایات شامل کی گئی ہیں۔ جن میں شروع کی دو حکائتیں بڑی دلچسپ ہیں۔ پہلی حکایت حضرت ابراہیم کی پیدائیش اور نمرود کے ڈر کے مارے ایک غار میں ان کی پرورش سے متعلق ہے اور دوسری فریدون کے ہاتھوں ایران کا ایک ظالم بادشاہ ضحاک کے تخت کے پلٹے جانے سے متعلق ہے۔

عوفی کی مشہور و معروف تصنیف "جوامع الحکایات" ہے۔ عوفی نے اسے سلطان ناصرالدین قباچہ کے حکم پر لکھنا شروع کیا لیکن ابھی اسکی تکمیل نہیں ہوئی تھی کہ قباچہ نے سلطان التتمش کے ہاتھوں شکست کھا کر دریائے سندھ میں ڈوب کر اپنی جان کو جان آفریں کے سپرد کیا۔ لہٰذا عوفی بھی دوسرے شعرا کی طرح التتمش کے دربار میں چلا آیا اور اس کے وزیر نظام الملک محمد بن ابوسعید جنیدی کی سرپرستی میں اس نے جوامع الحکایات کو مکمل کرکے اس معرف پرور وزیر کے نام معنون کیا۔ یہ کتاب چار جلدوں اور ایک سو باب پر مشتمل ہے۔ اس میں دو ہزار ایک سو تیرہ حکائیتیں ہیں۔ یہ کتاب اپنی خصوصیات مثلا" حکائیتوں کی رنگارنگی، دل نشینی اور سچائی کی وجہ سے بہت مشہور ہوئی۔

بقول مخدومی سعید حاشمی فریدآبادی اوّل سے فارسی علم وادب کی نہایت مقبول اور منتخب کتاب مانی گئی ہے اور مختلف زبانوں میں اسکے ترجمے بھی ہو چکے ہیں اور ہر زمانے میں ہر ملک کے مصنّف اور مولف اس سے برابر استفادہ بھی کرتے ہیں۔ اس کتاب کی بعض حکائیتیں تاریخی لیٹریچر کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض قصّوں میں مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور عرفانی نکات بیان کئے گئے ہیں اور زیادہ تر ایسی کہانیاں ہیں جن میں اخلاقی اوصاف مثلا" عدل، حیاء، تواضع، عفوو کرم، ہمت وایثار، سخاوت، صبر، شکر، زہد، بردباری، ایمانداری اور اخلاق کے سبق آموز پہلوؤں کی وضاحت کی گئی ہے۔

عوفی نے یہ تمام حکائیتیں تاریخ اور دوسرے فنون کی کتابوں سے جمع کی ہیں اور جن کے نام بھی جابجا لکھ دئے ہیں۔ آثار الباقیہ، کتاب الہند، تاریخ یمینی، تاریخ ناصری، تاریخ ملوک العجم غالبا" بیس

تاریخی اور دوسری کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ان ماخذوں سے عوفی کی وسعت نظر، کثرت مطالعہ اور کتاب کی تدوین میں غیر معمولی تحقیق اور کاوش کا اندازہ ہوتا ہے۔عوفی نے جوامع الحکایات میں اپنے مربّی و محسن نظام الملک کی شان میں بہت سے قطعاًت اور قصائد لکھے ہیں اور سلطان التتمش کی بھی مدح ہے۔

جوامع الحکایات میں عوفی نے جو عمدہ اشعار کہے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ممتاز نثر نگار اور ادیب ہونے کے علاوہ ایک قادرالکلام اور جلیل القدر شاعر بھی تھا۔یہی وجہ ھیکہ اس کے معاصر اسے وعظ الملوک والسلاطین اور افضل العالم کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔جوامع الحکایات ایسی سادہ، سلیس اور عام فہم عبارت میں لکھی ہوئی کتاب ہے کہ پڑھنے والوں پر یہ اثر ہوتا ہے کہ مولف نے تمام واقعات حاشیہ آرائی اور رنگ آمیزی کے بغیر سیدھے سادھے طریقے پر لکھنے کی کوشش کی ہے۔

سعید نفیسی

عہد حاضر کے ادبی حلقوں میں جس شخص کو متفقہ طور پر مسلم الثبوت استاد شعر وانشاء کہا جاسکتا ہے وہ فقط سعید نفیسی ہیں۔آپ ۱۳۱۵ھ میں تہران میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیمات اسی مرکزی شہر میں حاصل کیں۔پھر اعلی تعلیمات اور یورپی ادبیات کی تحصیل کے لئے فرانس تشریف لے گئے۔وہاں تقریبا" دس سال رہ کر بڑے بڑے ماہرین ادبیات اور مفکرین عصر سے استفادہ کیا۔انگریزی، جرمنی اور فرانسیسی زبان وادب میں کامل دستگاہ پیدا کر لی۔اس کے علاوہ مغربی افکار و نظریات کا گہرا مطالعہ کیا اور فارسی شعر وادب میں انھیں جذب کرنے کی کوشش کی۔

یورپ سے ایران واپس آنا ہوا تو محکمۂ فوائد عامہ میں سرکاری خدمات پر مامور ہوئے۔کچھ عرصہ بعد دانشگاہ تہران میں شعبۂ ادبیات وعلوم انسانی میں پروفیسر مقرر ہوئے اور تقریبا" بیس سال تک انتہائی دلبستگی کے ساتھ درس وتدریس کی اہم خدمات انجام دینے کے بعد سبکدوش ہوگئے۔لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ سرکاری عہدہ سے سبکدوش ہونے کے بعد ہی انکی گراں بہا تصنیفات وتالیفات منظر عام پر آئیں۔ایران کے اکثر نامور ادباء وشعراء آپ کے شاگردوں میں شامل ہوتے ہیں۔سعید نفیسی ایک باوقار، انتہائی وضع دار، مہمان نواز، شگفتہ رو، خوش گفتار اور انسان دوست ہیں۔ان کے ہاں اخلاق وعادات میں بھی ہمہ گیری پائی جاتی ہے۔

سعید نفیسی کی تصنیفات زیادہ تر تاریخی اور ادبی تحقیقات پر ہیں۔ان میں مندرجہ ذیل زیادہ اہم ہیں۔

1۔تاریخچۂ ادبیات ایران

2۔نثر فارسی

3-تاریخ تمدن ایران

4-ایران در صد و ہفتاد سال اخیر

5-افغانستان در عصر حاضر

6-مدرسۂ نظامیۂ بغداد

7-یزد گرد سوم

8-خاندان طاہریان

ان کے علاوہ ان کے جو مقالات و مضامین ملک کے ادبی رسائل وجرائد میں وقتاً" فوقتاً" شائع ہوتے رہے کافی کارآمد ہیں- انھوں نے مختلف زبانوں کے الفاظ اور لغات کو یکجا کرکے فرانسیسی، انگریزی، جرمنی اور روسی کو بطور خاص فارسی زبان میں ایک عظیم ترین فرہنگ تیار کی جو دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے-

سعید نفیسی کا مشہور افسانہ شہید خیواہ ہے جو ان کی بلند پایۂ نثر نگاری کا اہم نمونہ ہے- جیسا کہ پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ سعید نفیسی جدید نثر نگار اور اوّل درجہ کے شاعر بھی ہیں- انھوں نے ڈرامے اور مختصر کہانیاں بھی لکھی ہیں- ڈرامہ نویسی میں وہ سعید رضازادہ اور مختصر کہانیوں میں وہ مہدی اخوان ثالث سے کچھ کم نہیں-

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ سعید نفیسی کی مثنوی تخلیقات انکی نثری تخلیقات کے مقابلہ میں سمندر کے سامنے ایک قطرہ کی حیثیت رکھتی ہیں- تاہم ان کے کلام کا مطالعہ کرنے کے بعد انکی شاعری کے بارے میں بھی یہی کہنا پڑتا ہے کہ جس طرح وہ نثر نگاری اور انشاء پردازی کے امام ہیں، اسی طرح انکی

شاعری بھی انکی ایک کرامت ہے۔ جسے جدید شعر انشان منزل اور شمع راہ بنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح انکی نثر میں ایسے پیغامات ملتے ہیں کہ جنھیں ہم بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے خضر راہ بنا سکتے ہیں اور وہ نثر نگاروں اور انشاء پردازوں کے محبوب ترین امام اور بزرگ ترین رہبر تسلیم کئے جاتے ہیں۔

سوالات کے جوابات از یونت دوم تا سوم

وزن برداران

۱- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وصلم پیغمبر آخر زماں است-

۲- جوانان می خواستند کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وصلم میان آنہا داوری کند-

۳- بہ نظر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وصلم از ہمہ آنہا زور مند تر کسی است کہ بار سیدن بہ مقصود خویش حق دیگران را پائمال نکند، از رفتار ناپسند و گفتار زشت بپہیزد و چون بہ قدرت و جاہ برسد مغرور نگردد-

داستان خیر و شر

۱- بیابانی کہ دو رفیق از آن می گزشتند مانند تنوری بود-

۲- خیر کہ بے خبر ازیں بیابان سوزان آبہای خود را تا قطرۂ آخیر آشامیدہ بود، تشنہ ماند-

۳- خیر خواست کہ در برابر جراعہ ای آب بہ رفیقش دو لعل گراں بہا بدہد-

۴- شر بہ جای لعل از خیر چشمہایش می خواست-

۵- چون از تشنگی جانش بہ لب رسید خیر حاضر شد کہ چشمہای خود اورا بدہد-

۶- شر دشنہ ای بر گرفت وچراغ دیدگان رفیق خود را خاموش ساخت وآب نادادہ عزم راہ کرد-

۷- وقتی دختر چوپان خیر را دید پیش رفت واز آن آب خنک چندان بہ او خوراند تا جان گرفت و چشمہای کندۂ اورا کہ ہنوز گرم بود بر جای خود گزاشت وآنرا محکم بست-

۸-از برگهای شاخۂ دیگر موجب شفای صرعیان سودمند بودند-

۹-دختر آن برگها را کوبید و فشرد و آبش را در چشم خیر چکاند-

۱۰-چون خیر از درد چشم نجات یافت بی حرکت در بستر آرامید-

۱۱- وقتی که خیر چشم را گشود نداو همین که می توانست همه را ببیند-

۱۲-خیر پس از بهبود چشم هر روز با چوپان به صحرا می رفت و در گله به او کمک می کرد-

۱۳-خیر تصمیم گرفت که به شهر خود باز گردد تا بیش از این دل به دختر چوپان نبندد-

۱۴-چوپان از شنیدن خبر باز گشتن خیر سخت اندوهگین شد-

۱۵-چوپان وعده کرد که دختر زیبا خود را در عقد خیر دهد- چون خیر این خبر شنید از سفر چشم پوشید-

۱۶-خیر پیش از کوچ کردن آنجا رفت از برگهای درخت کهن دوا نبان پر کرد و با خود برداشت-

۱۷- دختر پادشاه آن شهر به بیماری صرع مبتلا بود-

۱۸-پادشاه برای کس که دخترش را ببیند و نتواند او را معالجه کند سر آن کس را از تن جدا کند-

۱۹-خیر دختر پادشاه را دید که بسیار آشفته و بی آرام است-

۲۰-دختر پس از خوردن شربت به خواب خوش فرو رفت-

۲۱-خیر نیز چشم دختر زیبای وزیر را درمان کرد-

۲۲-خیر پس از مرگ شاه بر تخت شاهی نشست-

۲۳- شر به این دلیل خواست که شاه اورا بخشید زیرا که نام شاه خیر است، بنابرین شاه مناسب نام خود نیکی کند-

۲۴- چوپان می دانست که وجود شر پیوسته موجب رنج ویگران خواهد باشد باشمشیرش سرش رااز تن جدا کند-

پزشک انسان دوست

۱- دکتر آلبرت شواتیزر یکی از بزرگان عصر ما بود-

۲- آلبرت شواتیزر در سال 1875 میلادی در دهکدهٔ کوچکی از کشور فرانسه چشم بدنیا گشود-

۳- آلبرت از کودکی در بارهٔ انسان واسرار زندگی بیندیشید-

۴- به عقیدهٔ آلبرت نیکبختان وظیفه دارند به خدمت ناکامان وبیچارگان بشتابند-

۵- به عقیدهٔ آلبرت مهمترین سالهای زندگانی انسان بین نه تا چهارده سالگی است، دراین سالها مغز برای فراگرفتن ونگاه داشتن آماده تراست

۶- آلبرت پس از بپایان دورهٔ دبیرستان بزرگترین تصمیم رادر زندگی خویش گرفت-

۷- او باچود پیمان بست تا سی سالگی به تحصیل فلسفه واخلاق وموسیقی ادامه خواهم داد، ازآن پس وجود خودراوقف خدمت به همنوعان دردمند خواهم کرد-

۸-آلبرت به همه راه های خدمت به بشر اندیشیده بود می توانست به تعلیم وتربیت یتیمان و کودکان بی سرپرست پردازد، از اطفال بی پناه نگهداری کند، وجود خود را وقف خدمت به آورگان آن نماید یا زندانیان آزاد شده را یاری کند-

۹-آلبرت تصمیم گرفت به میان بومیان سیاه پوست جنگلهای آفریقا برود-

۱۰-کسان ودوستان آلبرت از خود می پرسیدند مگر آلبرت عقلش رااز دست داده است- چرا جوانی که آئنده درخشانی دارد چنین تصمیم خطرناکی گرفته است-

۱۱-بستگان آلبرت می کوشیدند تااورا قانع کنند که در سرزمین خود می تواند به بشریت خدمت کند ازین رو اندرزهای آنان برآلبرت بسیاری ناگوار بود-

۱۲-هنگامی که خویشان ودوستان شواتیزر رادر رای خود پایدار یافتند برای بازداشتن وی ازآن کار به مبارزه برخاستند-

۱۳-شواتیزر نظر خویشان ودوستان رانه پزیرفت از نکوهش آنها نمی هراسید-

۱۴-سرانجام شواتیزر تصمیمی گرفت که به سرزمین های سیاهان افریقه برود وآنهارادر رفع دشواریهای زندگی یاری دهد-

۱۵-چون شواتیزر متوجه شد برای رسیدن به این هدف می از بایست دانش پزشکی مایه ای داشته باشد- ازین رواین مرد حکیم وفیلسوف درسی سالگی بار دیگر به دانشگاه رفت تادانش پزشکی بیاموزد-

۱۶-شواتیزر درآغاز کار بادشواریهای روبرو شد او ناچار در هوای آزاد به درمان می پرداخت وازنه داشتن وسایل بشدت رنج می برد-

۱۷- شواتیزر در سی سالگی دوباره به دانشگاه رفت تا درس پزشکی بخواند-

۱۸- شواتیزر در سی وهشت سالگی به افریقه رفت-

۱۹- لامبارنه جزیره ای غیر زی زرع بود یکی از جنگلهای افریقه—

۲۰- شواتیزر در هوای آزاد کار خود را آغاز کرد-

۲۱- گاهی نومیدی بر شواتیزر چیره می شد که وضیفه خود را بی همکاری دیگران پیش ببرد- بی زخیره دارو واز نداشتن وسایل دیگر واز دست یک تن چه کاری ساخته بود-

۲۲- شواتیزر نومیدی را نپزیرفت-

۲۳- شواتیزر با نوشتن نامه های و کردن سفرهای جمعیتهای خیریه را به کار خود جلب کرد- پس از چند سال توانست به یاری آنان بیمارستان مجهزی بسازد-

۲۴- شادمانی شواتیزر هنگامی بکمال می رسید که هدایای از مردم تهیدست دریافت میکرد-

۲۵- پزشکان وپرستارانی از نقاط مختلف جهان به یاری شواتیزر در بیمارستان لامبارنه رفتند-

۲۶- به نظر ما اهمیت وارزش کار شواتیزر در این بود که بدنیا آمدن وزیستن با خوشی ها وشادکامی های فردی نمی تواند روح یک انسان حقیقی را راضی کند—برای یافتن به خوش بختی را راستین باید در پی آسایش وراحت دیگران بود-

فداکاری مادر و عزم وارادۂ فرزند

۱- کریستی براؤن در یکی از روزہای بہار سال ۱۹۳۲ میلادی بدنیا آمد-

۲- کریستی افالیج داشت-

۳- مادر کریستی در آن موقع متوجّہ شد کہ او با کودکان دیگر فرق دارد و برای غذا خوردن مجبور است-

۴-پزشکان بہ مادر کریستی پیشنہاد می کردند کہ او را یکی از بیمارستانہای کہ کودکان افالیج و ناقص را در آنہا نگہداری می کند بسپارد-

۵-برای مادر کریستی دشوار بود کہ از او چشم بپوشد چون مادر کریستی پیش از او پنج بچہ سالم بدنیا آوردہ بود-

۶-مادر کریستی از معالجہ وتربیت پسرش مایوس نہ شد-او تصمیم گرفت کہ پسرش در خانہ نگہ دارد و مواظبت کند وانسانی بسازد-

۷- وقتی کہ مادر کریستی خط کجی روی تختہ کشید از ہمہ لحظہ زندگی واقعی او شروع شد-

۸-بہ نظر ما منظور مادر کریستی از زندگی واقعی از ہمہ اعضای بدن حرکت کردن است-

۹- نخستین کلمہ ای است کہ کریستی نوشت مادر بود-

۱۰- کریستی در ہفت سالگی خواندن و نوشتن را یاد گرفت-

۱۱-بہ نظر ما کریستی می توانست خوب حرف بزند بہ دیگران بفہماند پای چپ می نوشت و می فہماند-

۱۲- کریستی در دہ سالگی نقّشی یاد گرفت-

۱۳- کریستی جعبۂ رنگ برادرش توجۂ اورا جلب کرد ازین رو کریستی در جعبہ را با پا باز کرد-

۱۴- کریستی از پدر یا مادر خواہش می کرد کاغذ را بہ اتاق بچسپانند تا کم کم نقّاشی را نیز یاد بگیرد-

۱۵- مادر کریستی ہمیشہ نوشتہ ہای اورامی پسندید واورادراین کار تشویق می کرد-

۱۶- وقتی کہ پزشک جوان کریستی رامعائنہ کرد قرار براین شد کہ اتاقی جداگانہ برای اوساختہ شود-

۱۷- چون پدر کریستی آندر پول نداشت کہ اتاقی جداگانہ برای کریستی بسازد-

۱۸- مادر کریستی مایوس نہ شد بلکہ از سعی و کوشش خود اتاق برای کریستی رامی سازد-

۱۹- وقتی کہ پدر کریستی زنش رادید بساختن اتاق بچہ ھایش راصدا کرد وگفت این کار ماست بیایید تاآن راتمام کنیم-

۲۰- بلی معالجات پزشک جوان حال کریستی رابہتر کرد-

۲۱- پزشک در بیمارستان بہ کریستی پیش نہاد کردند کہ از نوشتن با پای چپ خود دوری کند—چون این کار در معالجۂ اوتاثیر داشت-

۲۲- فقط وسیلۂ ارتباط کریستی با دیگران و تنہا سرگرمی نقّاشی ونوشتن بود برای تندرست بودن-

۲۳- برادر کریستی در نوشتن بہ کریستی یاری کرد-

۲۴- نوشتہ ہای کریستی در روزنامہ ھاومجلّہ ھاچاپ شد وبدین ترتیب کودکی ناقص وافالیج در فداکاری مادر وعزم وارادۂ خود بہ شہرت وافتخار رسید-

بانوی فانوس بدست

۱- فلورانس نایتنگل در انگلیسی بدنیاآمده است-

۲- فلورانس روزی بهپزشکی کمک کرد تا پای شکسته سگی راز خم بندی کند- ازآن وقت به کارپرستاری علاقه مند گشت-

۳- درآن زمان اشراف آموختن علم رافقط برای پسران لازم می دانستند ازاین سبب خانوادهٔ نایتنگل دخترشان به آموختن فن پرستاری ناراض بودند-

۴- فلورانس پیوسته درپرستاری باروی گشاده نامطبوترین کارهاراانجام می داد-

۶-این دختر فداکار خبر رسید که میان جنگی بسیاری از سربازان زخمی شده اند وبه کمک پرستارانی مانند او نیازمندند ازین سبب به میدان جنگ رفت-

۷- زیراکه فلورانس بانوی فانوس شبهابه دست با بالین بیماران می آمد وآنان رادلداری می داد- فلورانس نایتنگل براثر بیماری سخت چنان ننواں شده بود که دیگر نتوانست به کارپرستاری ادامه بدهد، اما باز هم بیکار ننشست ودر فن پرستاری کتابی نوشت- پس بزرگترین نشان خدمت به او دادند-

سلجوقی دور

ایران کی تاریخ ادبیات میں مجموعی طور پر جس دور کو ہم بہت زیادہ اہم قرار دے سکتے ہیں وہ سلجوقی دور ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب ایران کی نظم و نثر اپنے عروج پر پہنچ چکی ہے۔زبان اور موضوعات کے اعتبار سے اس میں بڑی وسعت اور گہرائی پیدا ہو چکی ہے۔ غزنوی دور کے بعد ایران میں سلجوقیوں کی حکومت قائم ہوئی، نسلا" ترک تھے۔انھوں نے غزنویوں کو زیر کرکے ایران کو اپنے زیر کر لیا۔ سلجوقی دور اپنے شعرا، ادبا، نثر نویسوں، تاریخ نویسوں، انشا پردازوں اور صوفیا کے اعتبار سے دوسرے تاریخی ادوار پر سبقت رکھتا ہے۔اس دور میں دو ایسی خصوصیات ہیں جو اس کو ممتاز اور منفرد بناتی ہیں۔ایک فکر سے تعلق رکھتی ہے اور دوسری صنف شعر سے۔اس دور کی ادبی شخصیات کا ذکر کرنے سے قبل ہم ان چیزوں پر مختصر روشنی ڈالیں گے۔

سلجوقی دور وہ زمانہ ہے جس میں تصّوف اور عارفانہ فکر اپنے عروج کو پہنچی۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ سلجوقی دور تک پہنچتے پہنچتے ایران کی حکومت ایسی شان و شوکت حاصل کر چکی تھی جو اس کو شاید ماضی میں کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔ سلجوقی دربار اپنے جاہ وجلال اور عظمت کے لئے مشہور تھا اور مشہور ہے۔ظاہر ہے جب دنیاوی شان و شوکت بڑھ جاتی ہے تو لوگوں کا رجحان دین کی طرف کم ہو جاتا ہے—چناچہ سلجوقی حکومت کے زمانے میں بھی ہم کو یہی بات نظر آتی ہے۔دربار کی چمک اور بڑھک اور بادشاہوں کی شان و شوکت اور دبدبہ کا اثر تمام ملک پر ہوتا نظر آتا ہے اور لوگوں کی نظر میں یہ شان و شوکت کی قرار باقی ہے—لوگوں کا یہ میلان ان حضرات کے لئے جو نیک اور متقّی تھے، نہایت تکلیف دہ ہو جاتا ہے اور وہ اس جھوٹی شان و شوکت سے بیزار دکھائی دیتے ہیں۔اس بات کا باعث یہی بن جاتا ہے کہ وہ صوفیانہ فکر اور طرز زندگی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

بابا طاہر عریاں

طاہر نام ، عریاں تخلص اور ہمدان وطن تھا—ان کے ابتدائی اور عام حالات پردۂ خفا د میں ہیں- مختصر یہ کہ ان کا مسلک درویشی اور فروطبع تھا- اس لئے ہمیشہ زندگی بھر گوشہ نشیں تھے—صوفیا کے تزکروں میں ان کے معنوی مقام مسلک ، ریاضت ، درویشی، تقوی اور استغنی کا ذکر ملتا ہے- ۴۴۷ھ میں سلجوقی بادشاہ تغرل سے ان کی ملاقات ہمدان میں ہوئی تھی—انھوں نے بادشاہ کو عدل وانصاف سے حکومت کرنے کی تلقین دی تھی-

بابا طاہر کی زندگی حالت جذب میں گزری، ان کا دل انتہائی دردمند اور حساس تھا- ان کے نغمے ان کے سوز دروں کے شاہد ہیں- ان کی شہرت ان کی مقبولیت کی سب سے بڑی وجہ ان کی چند دو رباعیاں جن کا رنگ وآھنگ عارفانہ ہے- ان دو رباعیوں کو تہلیلات کا نام دیا گیا ہے- ان رباعیوں میں باباطاہر کے دنیا کی وحدت انسان کی دور افتادگی، اپنی پریشانی، تنہائی ، بے قدری، بے چینی اور ایزا طلبی کا حکم دیا گیا ہے- ہجر وشراب کی شکایت کی ہے اور اپنے طلب معنوی کے اشتیاق کا اظہار کیا ہے-

بابا طاہر کا انداز بیان سادہ اور رواں ہے- خیالات بھی سادہ ہیں مگر کہیں کہیں مقامی رنگ بھی نظر آتا ہے- انھوں نے اپنے کام میں انہی کیفیات و واردات کا ذکر کیا ہے —جن سے ہر صاحب دل کو سابقہ پڑتا ہے-

ابو سعید ابی الخیر

شیخ ابو سعید فضل اللہ بن ابی الخیر با باطاہر عریاں کے ہم عصر تھے—یہ خاوراں خراساں کے نواح مینہ میں ۳۵۷ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے وطن ہی میں ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد فقہ کی تحصیل کے لئے مرو گئے اور یہاں ابو عبداللہ الحصری کی شاگردی اختیار کی۔ الحصری اس زمانے کے مشہور فقہیوں اور علم طریقت کے عالموں میں شمار ہوتے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے زمانے کے مشہور بزرگوں جیسے ابوالفضل حسن سرخسی، ابوالعباس احمد قصاب اور ابوالحسن علی خرقانی سے معنوی فیوضات حاصل کئے اور مشہور صوفی بزرگ ابو عبدالرحمان سلمی (متوفی ۴۱۲) سے خرقۂ طریقت حاصل کیا۔ ابو سعید کو فارسی شاعروں میں صوفی مذہب کا اولین شاعر سمجھنا چاہئے کیونکہ انھوں نے اس موضوع پر اپنے اور دوسروں کے بہت سے اقوال، اسرار کی بہت سی باتیں، بہت سے قطعے اور رباعیات لکھی ہیں۔ ان سب کو ان کے پوتے محمد منوّر نے اپنی کتاب اسرار التوحید میں یکجا کر دیا ہے۔ یہ قطعے اور رباعیاں بڑی پر اثر ہیں اور ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کہنے والا دل میں درد اور سر میں سودا رکھتا ہے۔ ذیل کی رباعی خود ان سے منسوب کی جاتی ہے۔ اس سے ان کے عشق اور ان کے دل کا درد آشکارا ہے

جانا بزمین خاوراں خاری نیست کش بامن وروزگار من کاری نیست
با لطف و نوازش جمال تو مرا در دادن صد ہزار جاں عاری نیست

واقعہ یہ ہے کہ صوفیانہ عقائد ابو سعید کے اخلاق، رفتار، گفتار اور کردار میں رچ بس گئے تھے۔ وہ خوش زبان، شیریں بیان، شکستہ نفس اور مہربان تھے۔ امیروں سے مال لیتے اور درویشوں میں لٹا دیتے تھے۔ اپنے دل میں کینے کو کبھی جگہ نہ دی۔ سب کے دوست تھے۔ حد یہ ہے کہ اپنے دشمنوں سے بھی تکلّف اور مروّت سے پیش آتے تھے۔

صوفیوں کے مشہور عقائد یہ ہیں کہ علم کے کئی مراتب ہیں- پہلا حسی تجربہ یا آزمائش، دوسرا استدلال علم یا معرفت، تیسرا شہود یا دیدار کے دیکھنے کی حکایت- ابو علی سینا منطق اور حکمت کا استاد تھا- اس نے عقلی دلائل کی بنیاد پر طریقۂ مشائخ پر بحث کی- ابو سعید اشراق کا ذوق رکھتے تھے- انھوں نے کہا کہ علم کو مقام شہود پر پہنچنا چاہئے-

عرفان میں جو ذوق وحدت ہے اس کی بناپر شیخ دوسرے مذہب والوں سے بھی مہر و محبت کا برتاؤ کیا کرتے تھے– چناچہ ایک دن وہ اپنے مریدوں کے ساتھ عیسائیوں کے کلیسا میں گئے- اس تعصب کے زمانے میں شیخ کے اس کام سے لوگوں کو نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ ان کا وہ فعل مختلف مذہب والوں سے اتحاد اور الفت کا باعث بھی ہوا-

شیخ ابو سعید نے ۴۴۰ھ میں وفات پائی- کہتے ہیں کہ مرض الموت میں ان سے پوچھا گیا کہ آپ کے جنازے پر قرآن مجید سے کیا پڑھا جائے- فرمایا قرآن کا مرتبہ اس سے کہیں بلند ہے کہ مجھ پر پڑھا جائے- بس یہ شعر کافی ہیں۔

بہتراند امیں درجہاں ہمہ چہ بود کار دوست بر دوست رفت یار بر یار
آن ہمہ اندوہ بود وایں ہمہ شادی آن ہمہ گفتار بود وایں ہمہ کردار

سنائی

محمد آدم نام اور سنائی تخلص تھا— پانچویں صدی ھجری میں غزنہ میں تولد ہوئے- اوائل جوانی میں غزنوی سلاطین بالخصوص بہرم شاہ غزنوی کے مداح تھے- اپنے زمانے کے امرا، علما اور شعرا خاص طور سے مسعود سعد سلمان سے ان کے مراسم نہایت خوش گوار تھے- ایک دیوانے کی بات سے متاثر ہو کر ان پر رقّت طاری ہو گئی اور دنیا سے بیزار ہو گئے-

سنائی کی شاعری کو دو ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے- شاعری کا پہلا دور وہ تھا جس میں فرخی اور مسعود سعد سلمان کا رنگ اور انداز ہے- دوسرے دور کی شاعری خالص عارفانہ اور صوفیانہ ہے- سنائی کی یادگار ان کا ایک دیوان اور سات مثنویاں ہیں- مثنویوں کے نام درج ذیل ہیں-

حدیقتہ الحقیقت، طریق التحقیق، سیر العباد، عشق نامہ، عقل نامہ، کار نامہ اور غریب نامہ وغیرہ ہیں-

سنائی کے دیوان میں بارہ ہزار سے زیادہ اشعار ہیں- جو قصاید، رباعیات اور قطعاّت پر مشتمل ہیں- وہ ایک صاحب طرز شاعر ہیں- جنھوں نے ایک خاص رنگ اختیار کیا- ان کے قصائد میں ہر جگہ پختگی، متانت اور عالمانہ شان پائی جاتی ہے- ایک معمولی واقعہ کے لئے منطقیات استقلال پیدا کرنا، قوت تخیل سے اس میں رنگ بھر دینا ان کے کلام میں خاص طور سے نمایاں ہے- فلسفہ واخلاق وتصّوف کو اسی طریقہ سے انھوں نے دلکش بنا دیا ہے-

سنائی کے قصائد میں عنصری، فرخی، منوچہری اور مسعود سعد سلمان کا اثر نمایاں ہے- لیکن روحانی انقلاب کے بعد ان کی دعوت و تعلیم کی شاعری بن گئی —ان کے اکثر اشعار ظاہر پرستی، ریاکاری، ایزارسانی اور بے وفائی کی شکایت میں ہیں- انھوں نے فلسفیانہ انداز میں تزکیۂ نفس، ردّ غرور، ترک ظاہر پرستی، صفائی قلب، ترک حرص وہوس اور ایمان وعرفان کی تلقین کی ہے-

مکن در جسم وجان منزل کہ ایں دونست وآن بالا

قدم زین ہر دو بیرون نہ نہ ایں جا باش نہ آنجا

نخواہم لاجرم نعمت نہ در دنیا نہ جنت

ہمی گویم بت ہر ساعت در سرہّ چہ در زرہّ

سنائی کے ہر شعر میں کسی نہ کسی شعبۂ زندگی سے متعلق کوئی نہ کوئی نصحیت ضرور ہوتی ہے۔

سنائی کی تمام مثنویاں صوفیانہ اور عرفانی مطالب سے تعلق رکھتی ہیں۔ابوسعید ابی الخیر، باباطاہر عریاں اور خواجہ عبداللہ انصاری نے تصوّف وعرفان کا جو پودا لگایا تھا—اس کو سنائی نے آگے بڑھانے میں مدد کی۔ تصوّف وعرفان اور اخلاق کے موضوع پر سنائی کا سب سے اہم اور زندہ وجاوید کارنامہ حدیقتہ الحقیقت ہے۔ جس میں انھوں نے نہایت پسندیدہ مطالب ، بلند اخلاق اور سودمند نصائح کو صوفیانہ مسائل کے ساتھ ملا کر بیان کیا ہے۔

مثنوی معنوی لکھتے وقت مولانا روم کا پیش نظر بھی یہ مثنوی رہی ہے۔ سنائی کی علمیت اور اپنی عقیدت کا اظہار مولانا روم نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

عطار روح بود وسنائی دو چشم او ما از پی سنائی و عطار آمدیم

سنائی کی رباعیوں اور قطعاًت کا موضوع پند ونصیحت ہے۔ یہ بھی کافی مشہور ودلکش ہیں۔ سنائی کو نثر نگاری اور انشاء پردازی میں بھی کمال حاصل تھا—ان کی نثر میں زیادہ تر صوفیانہ مسائل اور طریقت کے مسائل کی ترجمانی ملی ہے۔ محققین عصر ڈاکٹر نظر احمد نے مکاتب سنائی کے نام سے ایک اہم کتاب مرتب کی ہے اور سنائی کے خطوط کو بڑی تحقیق وتلاش سے جمع کیا ہے اور اس پر تبصرہ کیا ہے۔

خواجہ فریدالدین عطار

فریدالدین محمد کا شمار تصوّف کے اہم ترین اور ممتاز ترین شعرا میں کیا جاتا ہے۔ انکی پیدائش چھٹی صدی ھ کے وسط میں نیشاپور کے ایک گاؤں میں ہوئی۔ ان کے والد ابو بکر ابراہیم بن اسحاق عطاری کا پیشہ کرتے تھے۔ چناچہ عطار نے بھی عطار کو ہی زریعۂ معاش بنایا۔ ان کی شاعری سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف عطار ہی نہیں بلکہ طبیب بھی تھے اور روزانہ پانچ سو آدمی ان کے مطب میں آتے تھے۔

تزکروں اور ان سے منسوب اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ عطار نے کافی سفر کئے تھے۔ مصر، دمشق، کوفہ، ہندوستان، ترکستان اور مکّہ کی سیاحت کی تھی۔ دوران سفر انھوں نے صرف عارفوں کے حالات تلاش اور ان کے اسرار معلوم کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ خود بھی معرفت کی تمام منزلیں طے کرتے ہیں۔ اسی راستے پر چل کر وہ عرفان کے افق پر چلے جس کی ضیاء چاشیوں سے لوگوں کے دل منوّر ہوئے۔ عارف شاعروں کے امام مولانا جلال الدین رومی انہیں اپنا پیشوا مانتے ہیں اور ان کے مقابلے میں خود کو ہیچ اور کمتر شمار کرتے ہیں۔

ہفت شہر عشق را عطار گشت

ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

مولانا روم کے علاوہ دیگر صوفیا مثلا" شیخ محمد شبستری اور علاالدین سمنانی نے بھی عطار سے اپنی والحانہ عقیدت کا اظہار کیا ہے اور ان سے اثر قبول کیا ہے۔

عطار کی بیش بہا زندگی کا خاتمہ اپنے وطن نیشاپور میں ایک منگول سپاہی کی تلوار سے ۶۲۷ھ میں ہوا۔

عطار کی فکر نہایت بلند اور اعلی تھی—اس جولانی فکر کی وجہ سے انھوں نے نثر اور نظم میں اپنی کئ تالیفات یادگار چھوڑیں ہیں— قاضی نوراللہ شبستری نے اپنے تذکرہ مجالس المومنین میں ان کی تصانیف کی تعداد قرآن کی صورتوں کے برابر لکھی ہیں جو تعداد میں ایک سو چودہ (۱۱۴) ہیں- لیکن تذکروں میں جن تصانیف کا ذکر ملتا ہے کے نام یہ ہیں—

مصیبت نامہ، الٰہی نامہ، خرد نامہ، پند نامہ، اسرار نامہ، وصیت نامہ، شرح القلب، حیدر نامہ، مختیار نامہ، شعر نامہ، سیاہ نامہ، بلبل نامہ، دیوان، منطق الطیر اور تذکرۃالاولیاء ان میں سے آخری تین کتابیں بے حد مقبول و معروف ہیں-

عطار کے اشعار کا بڑا حصّہ ان کی متعدد مثنویاں ہیں- عطار کا شمار چونکہ تصوّف کے اہم ارکان میں ہوتا ہے- اس لئے ان مثنویوں میں انھوں نے صوفیانہ مضامین نظم کئے ہیں—ان مثنویوں میں سب سے اہم مثنوی منطق الطیر جس میں عارفانہ مطالب کو نہایت لطیف پیرائے میں ادا کیا ہے اور مقامات تصوّف کو تمثیل کے طور پر بیان کیا ہے- مثنوی کے آغاز میں خدا کی حمد و ثناء رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور صحابۂ کرام کی منقبت میں اشعار لکھے گئے ہیں-

ناصر خسرو

ناصر خسرو سلجوقی دور کے ایک نہایت اہم اور بلند پایہ شاعر ہیں— یہ وہ شاعر ہیں جو اپنے علم و فضل کی بناپر حکیم کہلاتے ہیں اور اتنے سفر نامے کے لئے بہت مشہور ہوئے ہیں۔ان کی پیدائش ۳۹۴ ھ میں بلخ میں ہوئی۔ بچپن سے ان کو علم حاصل کرنے کا شوق تھا اور اسی شوق کی بناپر انھوں نے بڑا گہرا مطالعہ کیا۔ ناصر خسرو محمود غزنوی اور مسعود غزنوی دونوں کے دربار سے تعلق رکھتے تھے۔ان کے کلام میں ان دونوں غزنوی بادشاہوں سے متعلق بہت سے اشارے ملتے ہیں۔ ناصر خسرو نے اپنی زندگی سفر اور سیاحت میں بسر کی تھی۔ انھوں نے مختلف ملکوں مثلا" ایران کے علاوہ افغانستان، ترکستان اور بعض روایات کے مطابق ہندوستان کا سفر بھی کیا تھا۔ وہ فطری طور پر ایک محقق تھے۔ ناصر خسرو اسمعیلی عقائد کے حامی تھے۔ چنانچہ ان کے نسخہ میں ایران کے علماء اس سے ناراض ہو گئے۔ سزا کے خوف سے وہ پناہ لینے کے لئے جگہ جگہ چھپتے پھرتے تھے۔ اس مصیبت کی تفصیل انھوں نے "زادالمسافرین" میں پیش کی ہے۔ ان کے اشعار میں بھی اس طرف اشارے ملتے ہیں۔ ناصر خسر کثیر التصانیف تھے۔ سفر نامہ اور زادالمسافرین کے علاوہ انھوں نے روشنائی نامہ، سعادت نامہ اور متعدد کتابیں لکھیں ہیں۔

ناصر خسرو کے قصائد کا شمار فارسی زبان کے مشہور اور اہم قصائد میں ہوتا ہے اور ان کو قصیدہ کا استاد مانا گیا ہے۔ لیکن ان کے قصیدے میں اور اس وقت کے عام قصائد میں ایک اہم فرق یہ ہے کہ وہ مدح کے قصائد نہیں ہیں۔ ناصر خسرو نے زیادہ ان میں دینی اور اخلاقی موضوعات نظم کئے ہیں۔ وہ مذہب کے مختلف مسائل پر اپنے قصائد میں بحث کرتے ہیں اور انسان کو اپنا کردار مذہب اور اخلاق کے اصولوں کے اعتبار سے گزارنے کی نصحیت کرتا ہے۔اس کے علاوہ اس کے قصائد میں تصوّف اور عرفان کے مضامین بھی پائے جاتے ہیں۔اس نے ہر قدم پر آدمی کو بلند کردار اور نیک اعمال ہونے کی نصحیت

کی ہے۔ اس کے علاوہ تاریخی واقعات کا ذکر بھی ان کے قصائد میں ملتا ہے۔ تاریخوں اور تذکروں میں ان کی وفات 465ھ بتائی جاتی ہے۔

مسعود سعد سلمان

مسعود سعد سلمان غزنوک اور سلجوقی دور کاایک ممتاز اور معروف شاعر ہے۔ ان کے والد ہمدان کے رہنے والے تھے۔ جو اپنے علم و فضل کی بدولت غزنوی دربار سے وابسطہ ہوئے اور غالبا" ۶۰سال تک غزنوی سلاطین کی خدمت کی اور صلہ میں جاگیر عطا ہوئی۔ ۴۴۰ھ بمطابق ۱۰۴۸عیسوی میں بمقام لاہور مسعود کی پیدائش ہوئی۔

مسعود نے اپنی شاعری کی بدولت آغاز جوانی میں سلطان ابراہیم غزنوی ۴۵۰-۴۹۲ھ کے دربار میں رسائی حاصل کر لی۔ سلطان ابراہیم اور اس کے بیٹے سیف الدولہ محمود کی مدح میں قصاید کہے ہیں۔۴۶۹ھ میں جب سیف الدولہ محمود لاہور کا نائب السلطنت بنا کر آیا تو مسعود بھی اس کے ساتھ تھا۔ اسی دوران سلطان ابراہیم کو یہ اطلاع ملی کہ سلطان ملک شاہ سلجوقی سے مل کر اس کے خلاف سازش کر رہا ہے۔ تو اس نے سیف الدولہ کو اس کے مصاحبوں سمیت گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ چناچہ امیر محمود سیف الدولہ اپنے باپ کے حکم پر اپنے مصاحبوں سمیت گرفتار ہو گئے جن میں مسعود سعد بھی شامل تھا۔ وہ سات سال تک سو اور دھک کے قلعوں میں اور تین سال قلعہ نای میں قید رہا۔ اس اثناء میں اس نے سلطان ابراہیم اور امرا غزنین کی خدمت میں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے کئ پر سوز اور دردناک قصاید لکھے۔ لیکن حاسدوں اور اور دشمنوں کے کان بھرنے کی وجہ سے سلطان پر ان اشعار کا کچھ اثر نہ ہوا۔ ۴۹۰ھ میں سلطان ابراہیم کے ایک مقرّب عمیدالملک ابوالقاسم کی سفارش پر مسعود سعد کو رہائی ملی اور وہ اپنی جاگیر پر واپس آگیا۔

سلطان ابراہیم کے بعد اس کا بیٹا مسعود ۴۹۲ھ میں اس کا جانشین ہوا اور اس نے اپنے بیٹے شیر زاد کو لاہور کی حکومت عطا کی۔ قوام الملک ابونصر پارسی شیر زاد کا وزیر اور مسعود سعد کا تھا۔ ابونصر کی سفارش پر شیر زاد نے مسعود سعد کو جلندھر کی حکومت عطا کی بعد میں ابونصر معتوب ہوا اور اس کے

ساتھ اس کا دوست بھی مسعود سعد کو قید کرکے قلعہ مرنجن میں ڈالا گیا۔ جہاں انھوں نے آٹھ سال گزارے۔ باآخر سلطان مسعود کے وزیر طاہر علی شگافی کی کوششوں سے سن ۵۰۰ھ میں ان کو رہائی ملی۔ قید سے رہائی کے بعد مسعود سعد کو شاہی کتبخانہ کا کتاب دار بنادیا گیا۔ لیکن قید سے رہائی کے بعد وہ شکستہ دل، پریشان اور بوڑھا ہو گیا تھا۔ بعد میں اگر چہ ملک ارسلاں اور بہرام شاہ غزنوی نے ان کی سرپرستی کی لیکن انھوں نے بادشاہوں کی خدمت سے کنارہ کشی اختیار کرلی اور باقی ماندہ زندگی گوشہ نشینی میں بسر کرلی۔ مختصر یہ کہ یہ بلند پایہ شاعر بڑی دردناک اور پر ملال زندگی بسر کرنے کے بعد ۵۱۵ھ بمطابق ۱۱۲۱عیسوی میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔

مسعود سعد سلمان ایک ممتاز قصیدہ نگار کی حیثیت سے افق سخن پر جلوہ گر تھے۔ مسعود سعد کا وہ خاص سبک جس نے انھیں فارسی کے عظیم شاعروں کی صف میں جگہ عطا کی ان کے زندانی اشعار یا حبسیات میں نمایاں ہیں۔ فارسی ادبیات میں اسی طرح کی شاعری شاذونادر ہی ملتی ہے۔ ان اشعار میں مسعود نے اندرونی احساسات کی سچی ترجمانی کی ہے اور اٹھارہ سالہ اسیری کی تلخ یادوں کو بڑے موثر طریقے سے اپنی شاعری میں پیش کیا ہے جو زندگی کی بصیرتوں سے پر باز ہیں۔ ان اشعار میں شاعری زنداں کی تکلیفوں، زمانے کی مصیبتوں اور طویل راتوں کی گریہ وزاریوں کا حال بیان کیا ہے۔ چرخ کج رفتار کی ستمرانی، اپنی بے گناہی اور دشمنوں کی تہمت، الزام تراشی، والدین اور اہل وعیال کی خوشگوار یادوں کا ذکر کیا ہے۔

مسعود سعد کے دیوان میں قصاید زیادہ ہیں۔ مدحیہ قصیدہ وزیروں اور امیروں کی مدح میں ہیں جن میں سلطان مسعود کا وزیر ثقتہ الملک طاہر علی اور ابو نصر پارسی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ کچھ شکوائی قصاید ہیں جو داد خواہی کی غرض سے سلطان ابراہیم، سلطان مسعود، شیر زاد، ملک ارسلاں اور بہرام شاہ کو لکھے گئے ہیں۔ ان قصاید میں شاعر نے اپنا شکوہ پیش کرنے سے پہلے سلطان کی مدح کی

ہے اور اس کے بعد اپنا اصلی موضوع شروع کیا ہے۔ لیکن انھوں نے اپنی خودداری کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ ان کے علاوہ کچھ تاریخی قصاید ہیں جن کے مطالعہ سے غزنوی دور کے بعض اہم حالات وواقعات پر روشنی پڑتی ہے جس کا وہ خود عینی شاہد ہے۔

مدحیہ قصاید اور حبسیات سے قطع نظر ان کے کلام میں احساس طرب بھی ملتا ہے۔ ان کی غزلیں محبوب کی شان میں کہے گئے قصیدہ معلوم ہوتے ہیں۔ کہیں کہیں رباعیات میں عشقیہ، مدحیہ اور حبسیہ مضامین ملتے ہیں۔ انھوں نے شہر آشوب بھی لکھا ہے۔

ہندوستان کے فارسی شعرا میں مسعود سعد پہلا شاعر ہے جن کے یہاں مقامی اثرات بہت ملتے ہیں۔ ہندی شاعری کی تقلید میں ان کے دیوان میں بارہ ماسہ کی نظمیں ملتی ہیں جن میں ایّام ماہ وہفتہ اور برشگال جیسے خالص ہندوستانی موضوع پر طبع آزمائی کی ہے۔

محمد عوفی نے لکھا ہے کہ مسعود سعد کے تین دیوان فارسی، ہندی اور عربی میں تھے۔ عربی کے متفرق اشعار تو مل جاتے ہیں لیکن ہندی دیوان کا کہیں سراغ نہیں ملتا ہے۔ جس شخص کی فارسی شاعری پر ہندی کے اثرات تھے اور جن کی پرورش وپرداخت لاہور میں ہوئی تھی ان کے لئے ہندی میں شعر کہنا بعید از امکان معلوم نہیں ہوتا۔

مسعود سعد کے کلام میں تکلفات زیادہ نہیں رہیں۔ قدرت فکر اور جدّت تراکیب ان کے کلام کی ایک خاص خوبی ہے۔ ان کی پیش نظر رودکی اور منوچہری کا کلام رہا۔ طویل بحروں اور نظموں کا انھیں شوق نہیں تھا۔

مسعود سعد سلمان کے اپنے معاصرین مثلاً" ابوالفرج رونی، سید حسن غزنوی، سنائی اور معزی وغیرہ کے ساتھ روابط قائم تھے۔ اور ان کے معاصرین ان کا بڑا احترام کرتے تھے۔ ان کی مقبولیت اور

شہرت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ سنائی نے مسعود کے زمانے میں یا ان کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ان کا دیوان مرتب کیا تھا۔

انوری

یوں تو سلجوقی دور میں ایک سے بڑھ کر ایک نامور قصیدہ گو گذرے ہیں جنھوں نے اس صنف شعر کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن ان سب میں ممتاز اور منفرد قصیدہ گو انوری کو مانا گیا ہے۔ نہ صرف سلجوقی دور کا بلکہ ایران کی تاریخی شعر کا سب سے اہم و معروف قصیدہ نگار اوحدالدین محمد انوری جو خراسان میں پیدا ہوئے۔ انوری کو خدا نے شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیت عطا کی تھی۔ کم عمری سے ہی وہ شعر گوئی کی طرف مائل تھا اور اپنی خداداد صلاحیت کی بنا پر نوجوانی میں ہی سلجوقی دربار سے وابسطہ ہو گیا۔ انوری کو اس دربار میں غیر معمولی مقبولیت اور شہرت حاصل ہوئی اور سلطان سنجر کے زمانے میں ملک الشعرا کا خطاب اس کو دیا گیا۔ انوری کی زندگی بہت سی تفصیلات، تاریخوں اور تزکروں میں دستیاب ہے جس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر کی زندگی میں بہت سے اتار چڑھاؤ آئے۔ کبھی اس کو ہر دلعزیزی و مقبولیت حاصل ہوئی اور کبھی مخالفت۔ سلجوقی دور میں ہونے والے بہت سے واقعات کو اس شاعر نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یہاں تک کہ ۵۴۸ھ میں جب ترکوں نے سلطان کو مغلوب کرکے قید کر لیا تو انوری بھی طرح طرح کی مصیبتوں کا شکار ہوا۔ بہر حال جب وہ ان مشکلات سے چھوٹا اور سلطان کا بیٹا تغلق تخت پر بیٹھا تو انوری پھر سلجوقی دربار سے منسلک ہو گیا۔ ایک مشہور واقعہ انوری سے منسوب کیا جاتا ہے جو تاریخوں میں بھی ملتا ہے۔ اس کا دعوی تھا کہ وہ علم نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ ایک سال اس نے پیشگوئی کی کہ اس سال موسم بہت خراب ہو گا آندھی اور زلزلہ آئے گا۔ چناچہ اس خوف سے بہت سے لوگ شہر چھوڑ کر چلے گئے اور ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا اس سے انوری کی رسوائی اور بدنامی ہوئی جس کے نتیجے میں اسکو شہر چھوڑنا پڑا اور مرو سے وہ نیشاپور اور پھر بلخ پہنچا اور بدنامی کے خوف سے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کی۔

انوری کی طرز شاعری:۔ جیسا کہ قبلا" عرض کیا گیا۔ انوری نہ صرف سلجوقی دور کا بلکہ ایران کا سب سے بڑا قصیدہ گو شاعر ہے۔ اس کے قصیدہ کا سب سے بڑا وصف اس کی بلندی فکر اور تخیل کی رسائی۔ وہ اپنے قصیدے میں ایسے ایسے موضوعات ڈھونڈ کر لاتا ہے جو کہ اس سے پہلے نظر آتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ اس کا کلام اس مخصوص صفت میں تمام قدیم استادوں پر سبقت لے گیا ہے۔ وہ دور علما وفضلا کا دور تھا اور ہر ماہر فن شاعر اپنے کلام میں نئی نئی بات لکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ انوری بھی اپنے قصیدے میں نئے مضامین ڈھونڈ کر لاتا ہے لیکن اس کے تخیل کی بلندی اور تنوع کا فکر اس کو ایسا انوکھا پن دیتے ہیں جو شعرا کو میئسر نہیں ہوا۔ انوری کے قصیدوں میں ہم کو معنی کی گہرائی اور زبان کی پختگی اپنے عروج پر نظر آتی ہے۔ اس کا قصیدہ مدح پر مبنی ہوتا ہے جس میں تشبیب، مناظر فطرت کی عکاسی اور کم نظر آتی ہے۔ شاید اس کو فطری طور پر ان چیزوں سے لگاؤ نہیں تھا۔ وہ عام طور پر سیدھے ممدوح کی مدح سے قصیدہ شروع کرتا ہے اور اس مدح گوئی میں اپنے فن اور جوہر کو دکھاتا ہے۔ انوری کے قصیدے کا ایک اور نمایاں پہلو زبان وبیان اور الفاظ کا ایک سمندر ہے جو موجیں مار رہا ہے۔ اس کو زبان پر ایسا عبور تھا کہ ایک ہی صفت کو بیان کرنے کے لئے قسم قسم کے پیرائے اور انداز اختیار کرتا تھا جس سے معنی میں بڑی ندرت پیدا ہو جاتی ہے۔

خاقانی شروانی

خاقانی کا نام سلجوقی دور کے مشہور شعرا میں کیا جاتا ہے۔ پورا نام افضل الدین ابن علی خاقانی تھا۔ خاقانی ۵۲۰ھ میں شیر وان کے علاقہ میں تولد ہوا۔

اگر ایران کے چند اہم ترین اور معروف ترین قصیدہ گویوں کا نام لیا جائے تو ان میں خاقانی کا نام شماریقینا" ہوگا۔ اس کے قصیدے اپنی مخصوص صفات کی وجہ سے ایک منفرد اور ممتاز مقام رکھتے ہیں۔

خاقانی کے قصاید کی سب سے بڑی خصوصیت اس کے مضامین کی ندرت ہے۔ خاقانی ایک بلند وضح تخیل رکھتا تھا۔ چناچہ اسی تخیل کی مدد سے وہ اپنے ممدوح کی مدح کے لئے نئے سے نئے اور انوکھے سے انوکھے موضوع سوچتا تھا۔ نہ صرف مدح بلکہ تشبیہ اور دعا میں بھی خاقانی کے مضامین خاص کر جدّت اور انوکھا پن رکھتے ہیں۔ بعض اوقات اس کی یہ جدّت اور تلاش مضامین پیچیدہ اور مبہم بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن شاعر کو نئی بات کہنے اور نیا مضمون سوچنے سے ایسا لگاؤ ہے کہ وہ ہر دوسری چیز پر مقدم سمجھتا ہے۔

خاقانی کے قصاید نئی نئی تشبیہوں اور استعاروں سے ہمیں متعارف کراتے ہیں۔ یہاں بھی وہ اپنی فکر اور اپنے تخیل کی مدد سے عام نظر سے ہٹ کر تشبیہات اور استعاروں سے کام لیتا ہے۔ جس سے اس کا کلام دوسرے شعرا سے مختلف ہوتا ہے۔ مدح ایک پرانا موضوع ہے اور ایران میں شاعری کی ابتدا بھی تقریبا" اسی سے ہوئی۔ خاقانی کا کمال یہ ہے کہ پرانے موضوعات کو وہ اپنے جدید اور منفرد تشبیہوں اور استعاروں کو صنائع لفظوں سے نیا بنا دیتا ہے اور نئی جازبیت پیدا کر دیتا ہے۔

فارسی کے ساتھ ساتھ عربی میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ چناچہ اس کے کلام میں عربی ترکیبات، اصطلاحات، قرآن کی آیات اور احادیث کے فقرے قدم قدم پر نظر آتے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ عربی

کے وافر استعمال سے اس کا کلام فی الجملہ مشکل ہو گیا ہے۔ لیکن اتنی مشکل پسندی اور ایہام اس دور کی طرۂ امتیاز مانا جاتا تھا۔

خاقانی چونکہ بہت سے علوم سے واقفیت رکھتا تھا۔ وہ بے تکلفی کے ساتھ اپنے کلام میں استعمال کرتا ہے مثلا" نجوم کی اصطلاح، شطرنج، طب، فلسفہ، اور حکمت کی اصطلاح وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ خاقانی کے کلام کو پورا سمجھنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ ان تمام علوم سے واقفیت ہو اور اس کی اصطلاحوں سے آگاہی ہو۔

خاقانی آذر بائیجان کا شاعر تھا۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں خراسان اور آذر بائیجان کے شعرا ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سبک خراسانی میں ہم کو اگر زبان کی شیرینی اور فصاحت، طرز ادا کی سادگی اور فکر کا سلجھا پن اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو سبک آذر بائیجانی میں فکر کی باریکی لفظیات پر ضرورت سے زیادہ زور، جدت کی تلاش، تخئیل کی بلندی، وسعت کلام کی ہم آہنگی اس کو امتیاز بخشتی ہے۔ خاقانی اکثر اپنے کلام میں ترکی اور آذر بائیجان کی علاقائی زبان بھی استعمال کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ چونکہ اس کی ماں عیسائی مذہب سے تعلق رکھتی تھی۔ لہٰذا عیسائیت کی بھی اصطلاحات اور عقاید اس کے کلام میں جابجا دکھائی دیتے ہیں۔

قصیدے کے علاوہ خاقانی نے غزلیں بھی کہی ہیں۔ لیکن اس کی شخصیت کی پہچان اور اس کی استادی کا اظہار جیسا اس کے قصاید میں ہوا غزلوں میں نظر نہیں آتا شاید اس لئے کہ فطری طور پر اس کو مدح گوئی سے زیادہ مناسبت تھی۔ بطور خلاصہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ فارسی زبان کے قصیدوں میں اگر ہم چند نمایاں اور نمائیدہ قصاید کا انتخاب کریں تو اس میں خاقانی کے قصاید ضرور شامل ہوں گے۔

کشف المحجوب

کشف المحجوب سعید ابوالحسن علی ہجویری کی ایک گراں قدر تصنیف ہے جو پانچویں صدی ہجری کے وسط میں تالیف ہوئی۔ فارسی زبان میں یہ تصوّف کی پہلی کتاب ہے جو ہندوستان میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں حضرت نظام الدین اولیا نے فرمایا تھا جس کا کوئی مرشد نہیں ہو اس کو کشف المحجوب کے مطالعے سے مل جائے گا۔

اس کتاب کی تصنیف کا سبب ابو سعید ہجویری کا ایک استفسار ہے جو تصوّف کے رموز واسرار کو شیخ ہجویری سے سمجھنا چاہتے تھے۔ اس کے جواب میں شیخ ہجویری نے تصوّف کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ جس سے یہ کتاب ایک قابل قدر کتابوں میں شمار کی جانے لگی۔ اس کے علاوہ اس میں مشائخ صوفیاء کے حالات اور عقاید پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔

کشف المحجوب کا پہلا باب علم کی بحث سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں پانچ فصلیں ہیں۔ شروع میں کلام مجید اور احادیث نبوی کی روشنی میں علم کی اہمیت دکھا کر یہ بتایا گیا ہے کہ علم ہی کے زریعے ایک سالک مراتب اور درجات کے حصول کے قابل ہوتا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب وہ اپنے علم پر بھی عمل کرتا ہے۔ پھر علم کی دو قسمیں بتائی ہیں۔ علم خداوند تعالی اور علم خلق۔ دوسرا باب فقر سے شروع ہوتا ہے اس میں تین فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں قرآن مجید اور احادیث کی روشنی میں یہ کہا گیا ہے کہ فقر کا مرتبہ خدا کے نزدیک بہت بڑا اور افضل ہے۔ دوسری فصل میں صوفیانہ نقطۂ نظر سے فقر وغنا پر بحث کی ہے اور تیسری فصل میں فقرا اور فقیر سے متعلق مشائخ اعظام کے جو اقوال ہیں ان کی تشریح اور تفصیل ہے۔ تیسرے باب میں لفظ صوفی کی اصلیت، صوفیوں کے خیالات اور تصوّف

کی تشریح کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ھیکہ تصوّف محض علوم و رسوم کا نام نہیں بلکہ ایک اخلاص اور اخلاق کا نام ہے۔ چوتھے اور پانچویں باب میں صوفیوں کے لباس پر بحث کی گئی ہے۔ چھٹا باب۔۔۔۔پر ہے۔ ہجویری نے خلق کی ملامت کو خدا کے دوستوں کی غذا کہا ہے۔ ساتویں باب سے لے کر تیرھویں باب تک صوفیانہ نقطۂ نظر سے صحابۂ کرام، اہل بیت، اہل صفحہ، تابعین، تبہ تابعین، ائمہ اور صوفیائے متاخرین کا ذکر کیا گیا ہے۔ چودھواں باب نہایت اہم ہے۔ اس میں صوفیوں کے مختلف فرقوں کے عقاید پر ناقدانہ اور محققانہ مباحث ہیں

آئندہ ابواب میں تصوّف کے مسائل پر ممالث ہیں اور راہ سلوک میں بارہ حجاب ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی الگ الگ تشریح وتوضیح ہے۔ مثلا" معرفت، توحید، ایمان، طہارت، زکواۃ، روزہ اور حج وغیرہ۔

پھر مشاہدہ پر بحث کی ہے۔ مشاہدہ یقین کی صحت اور خدا کی محبت کا غلبہ ہے۔ اس کے بعد مختلف ابواب میں شیخ ہجویری نے سالک کے طریق وآداب پر روشنی ڈالی ہے اور آخر میں سماع کا ذکر کیا ہے۔ ہجویری کے نزدیک سماع جائز ہے۔ مگر اس کے لئے انھوں نے کچھ شریعت مقرّر کی ہیں۔ مثلا" محفل سماع میں پیرومرشد موجود ہو۔ عوام شریک نہ ہو، قوال فاسق نہ ہو۔ سماع کے وقت دل دنیاوی علائق سے خالی ہو۔ طبعیت لہوولعب کی طرف مائل نہ ہو۔ اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس کو تکّلف کے ساتھ نہ روکے اور یہ کیفیت جاری رہے۔ قوال کے گانے کی اچھائی یا برائی کا اظہار نہ کرے۔ ہجویری نے سماع کے وقت رقص کو کسی حال میں پسند نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس کو حرام اور ناجائز قرار دیا ہے۔

کیمیای سعادت

کیمیای سعادت تصوّف اور اخلاق کے موضوع پر لکھی گئی مرکتہ الآرا تصنیف ہے اور زندہ وجاید کتابوں میں سے ایک ہے۔ اس کے مصنف حجتہ الاسلام امام ابوالحامد غزالی ہیں۔ جن کا شمار سلجوقی دور کے بلند پایہ علما میں ہوتا ہے۔ امام غزالی ۴۵۰ ہجری میں بمقام طوس کے ایک شہر طابران میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سوت کا کاروبار کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے ان کا خاندان غزالی کہلاتا تھا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں کہ غزالہ طوس کے ایک گاؤں کا نام ہے۔ امام صاحب وہاں رہتے تھے۔ اسی وجہ سے غزالی کہلائے۔ لیکن تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ طوس میں غزالہ نام کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے پہلی روایت معتبر معلوم ہوتی ہے۔

امام غزالی ایّام طفلی میں ہی شفقت پدری سے محروم ہو گئے۔ وہ اور ان کے چھوٹے بھائی احمد غزالی نے انتہائی محنت ومشقت کے ساتھ تعلیم حاصل کی۔ امام غزالی نے فقر کی ابتدائی کتابیں احمد بن محمد رازکانی سے پڑھیں۔ پھر زوجان کا قصد کیا اور امام ابو نصر اسماعیلی کی شاگردی میں تحصیل شروع کی۔ اس زمانے میں نیشا پور اور بغداد علوم وفنون کے دو اہم مراکز تھے۔ نیشاپور میں امام الحرمین درس دیتے تھے۔ چناچہ امام صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے مدرسے میں داخل ہوئے۔ مشائخ صوفیا سے بھی اکتساب فیض کیا۔ تعلیم سے فراغت کے بعد امام غزالی وعظ، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول ہو گئے اور نظامیہ نیشاپور کے مسند درس کے لئے انتخاب کیا۔ اپنے علم وفضل سے انھوں نے سلجوقی بادشاہ ملک شاہ کو بھی اپنا ہمسر بنالیا۔

۴۸۴ ہجری میں نظام الملک طوسی کی دعوت پر امام غزالی نظامیہ بغداد میں درس دینے کے لئے بغداد گئے اور چار سال تک وہاں مقیم رہے۔ ان کا علمی پایہ یہ تھا کہ ان کے درس میں طلبا کے علاوہ مدرسین، امراء اور روساء بھی حاضر ہوتے تھے۔ درس کے علاوہ وعظ بھی فرماتے تھے جس میں علمی

مطالب بیان کئے جاتے تھے۔ مدرسہ نظامیہ میں اپنے بھائی کو اپنا جانشین بنا کر حج کو روانہ ہوئے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب ان کے اندر زبردست روحانی انقلاب آیا اور انھوں نے عالم ظاہر سے عالم باطن کی طرف رجوع کیا اور دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ الغرض وہ بغداد سے نکل کر شام پہنچے اور دمشق میں مجاہدہ وریاضت میں مشغول ہو گئے اور جامیہ بنی امیہ میں درس بھی دینے لگے۔ اس کے بعد مصر کا بھی سفر کیا۔ پھر اپنے وطن طوس واپس آ گئے۔ جہاں انھوں نے عزلت وخلوت پر بیشمار کتابیں لکھیں اور قرآن وحدیث، فقہ وحکمت اور فلسفہ واخلاق۔ روحانی تبدیلی کے بعد ان کی نظر میں امرا ووزرا اور دربار کی شان وشوکت کی کوئی وقعت نہیں رہی اور انہیں پوری ہمت اور جرات کے ساتھ حرف ملامت بنایا اور اپنی تصنیف میں علما اور مشائخ کی ریاکاریوں کی کلئی کھولی جس سے ان کے حاسدوں اور دشمنوں کا گروہ بڑھتا گیا بالآخر معاملہ سلطان سنجر تک پہنچا۔ لیکن جب دونوں روبرو ہوئے اور آپس میں گفت وشنید ہوئی تو سلطان کی تمام شکایتیں دور ہو گئیں اور نہایت عزت واحترام سے پیش آیا۔

امام صاحب کی زندگی کے آخری دن مشائخ صوفیاء وعلماء کی مجلس میں وعظ وتدریس اور مجاہدہ وریاضت میں بسر ہوئے اور تصنیف وتالیف کا مشغلہ بھی جاری رہا۔ ان کی اہم تصانیف میں احیاالعلوم، مقاصدالفلاسفہ، تحفۃ الفلاسفہ، معیارالعلم، وسیط بسیط، کیمیای سعادت، اکثیر الہدایت اور نصحیت الملوک وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

چہار مقالہ

چہار مقالہ غوری عہد کی مشہور ترین کتاب ہے اس کا مؤلف سلجوقی عہد کا مشہور عالم، انشاء پرداز اور نثر نویس نظامی عروضی سمرقندی ہے جس کا شمار فارسی کے بہترین انشاء پردازوں اور نثر نگاروں میں کیا جاتا ہے۔

مؤلف کا خیال ہے کہ ایک بادشاہ کو اپنی داخلی اور خارجی زندگی کے لئے مشیروں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان مشیروں میں دبیر، شاعر، طبیب اور منجّم خاص طور سے اہمیت رکھتے ہیں۔ نظامی عروضی ان چار قسم کے مشیروں کے اوصاف پر بحث کرتا ہے اور علم طبعیت کا ذکر ہے۔ اس کے بعد چار مقالہ درج کئے ہیں جن کا مختصر حال ذیل میں کیا جاتا ہے۔

مقالہ اوّل:۔ اس مقالہ کا موضوع دبیری ہے اس کی تمہید میں کامیاب دبیر کے اوصاف بتائے ہیں اور حکومت کے کاروبار میں اس کی اہمیت واضح کی ہے۔ اس کے بعد مشہور دبیروں کے متعلق دس حکایتیں ہیں جن سے دبیری کے کمال فن پر روشنی پڑتی ہے۔

مقالۂ دوم:۔ یہ مقالہ علم شعر اور صلاحیت شعر پر ہے۔ آغاز میں شعر وشاعری اور صلاحیت شعر پر مختصر سی بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس طرح ہر علم میں شعر وشاعری سے کام لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح ہر علم شعر کے دامن میں سما سکتا ہے۔ اس بحث کے بعد شاعر اور فن شعر سے متعلق دس حکایات بیان کی ہیں۔ تاریخی اور تنقیدی لحاظ سے یہ مقالہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں متعدد قدیمی اور سلجوقی حکمرانوں کے ہم عصر تھے۔ ان کے درباروں سے وابسطہ تھے۔ ان میں رودکی، عنصری، فرخی، اور فردوسی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اس مقالہ کی پہلی حکایت بہت فکر انگیز ہے۔ اس میں نظامی نے احمد بن عبداللہ الخستانی کا حال لکھا ہے جو شروع شروع میں گدھوں کا کاروبار کرتا تھا آخر وہ اپنی

عقلمندی اور مردانگی سے اس قابل ہوا کہ خراسان کی حکومت اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ لوگوں نے اس کامیابی کے اسباب معلوم کرنے چاہئے تو اس نے جواب دیا میری ترقی کا سبب حنظلہ بادغیسی کے دو شعر ہیں۔

مہتری گر بکام شیر در است شو خطر کن زکام شیر بجوی
یا بزرگی وعزّ ونعمت وجاہ یا چو مردانت مرگ رو یاری

مقالہ سوم:۔ یا مقالہ علم ہیت سے متعلق ہے۔ اس میں علم نجوم کی مختصر سی بحث کے بعد دس حکایات درج کی گئی ہیں جن سے علماء نجوم کے علم وفضل پر روشنی پڑتی ہے۔ ان میں ابوریحان البیرونی، حکیم موصلی اور عمر خیام کے حالات تاریخی اور علمی اعتبار سے نہایت اہم ہیں۔ عمر خیام کے متعلق جو معلومات ہمیں فراہم ہوئی ہیں ان کا ماخذ نظامی عروضی کا مقالہ سوم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مصنف خود خیام کا ہم عصر تھا۔

مقالہ چہارم:۔ چوتھا مقالہ علم طب پر ہے اس کی تمہید علم طب کی ماہئیت پر مشتمل ہے۔ تمہید کے بعد دس حکایات بیان کی گئی ہیں جن میں مشہور طبیبوں کے طریق علاج کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ابو علی سینا اور محمد زکریا رازی کے حالات خاص طور سے بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

چہار مقالہ اگرچہ ایک مختصر سا مقالہ ہے لیکن ادبی اور تاریخی اعتبار سے ادبیات ایران کا قدیم ترین ماخذ ہے۔ سب سے پہلا شخص نورالدین عوفی ہے جس نے اپنے تذکرے لباب الالباب کی تالیف میں چار مقالہ سے استفادہ کیا ہے۔ عوفی کے بعد حمداللہ مستوفی نے تاریخ گذیدہ کی تالیف میں اس سے مدد لی ہے۔ ایران کے موجودہ تذکرہ نویس رضازادہ شفق اور زبیح اللہ صفا وغیرہ نے بھی ہر جگہ چار

مقالہ کے حوالے دئے ہیں۔علامہ شبلی نعمانی نے شعرالعجم میں چار مقالہ کے بیانات کو سند کے طور پر پیش کیا ہے۔

چہار مقالہ اس لئے بھی تاریخ ادبیات کا بہترین ماخذ سمجھا جاتا ہے کہ یہ سلجوقی دور کی تالیف ہے جو نظم دفتر کا اہم ترین دور ہے۔ اس دور کے بعض شعراء کے ساتھ مصنف کے دوستانہ روابط تھے۔ بعض کی شاگردی کا اس سے شرف حاصل تھا۔

چہار مقالہ کی تاریخی اہمیت کے علاوہ اس کی قدر و منزلت میں اس کی ادبیت کو بڑا دخل ہے۔ اس کی عبارت بہت صاف اور دلکش ہے۔ نظامی مختصر الفاظ میں کثیر معنی سمونے کا بڑا اچھا سلیقہ رکھتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ فارسی نثر نگاروں میں اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ اس کی عبارت میں بے ساختگی، روانی اور فقروں میں ایسی پیوستگی ہے کہ جس کی نظیر کہیں اور نہیں ملتی۔ ان ہی چیزوں نے چہار مقالہ کو ایک لازوال حسن بخشا۔ ایران کے ایک بلند پایہ محقق عبدال وہاب قزوینی نے اس کتاب کا ایک عمدہ ایڈیشن شائع کیا ہے جس میں انھوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب انداز نگارش کے لحاظ سے تاریخ بیہقی، تذکرۃالاولیاء اور گلستان سعدی کی ہم پلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسی کتاب کا مصنّف تاریخ ادبیات ایران میں کتنا اونچا مقام رکھتا ہے۔